ستار پاکٹ بکس سیریز ع۱۶

بدنصیب

ایک ناول

وحشی محمود آبادی

ناشر

سٹار پبلیکیشنز
۲۷۶۱ - دریا گنج - دہلی ع۶

طابع
(الہ آباد پریس دہلی)

قیمت : صرف ایک روپیہ

سول ایجنٹس
پنجابی پُستک بھنڈار
دریبہ کلاں دھلی ع۶

A/80

سٹار پاکٹ بکس سیریز

کو ہم اور بہتر بنانا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے ۔ کیا آپ اس سیریز کے سلسلے میں اپنی قیمتی رائے ہمیں بھجوا سکیں گے ۔

ناشر
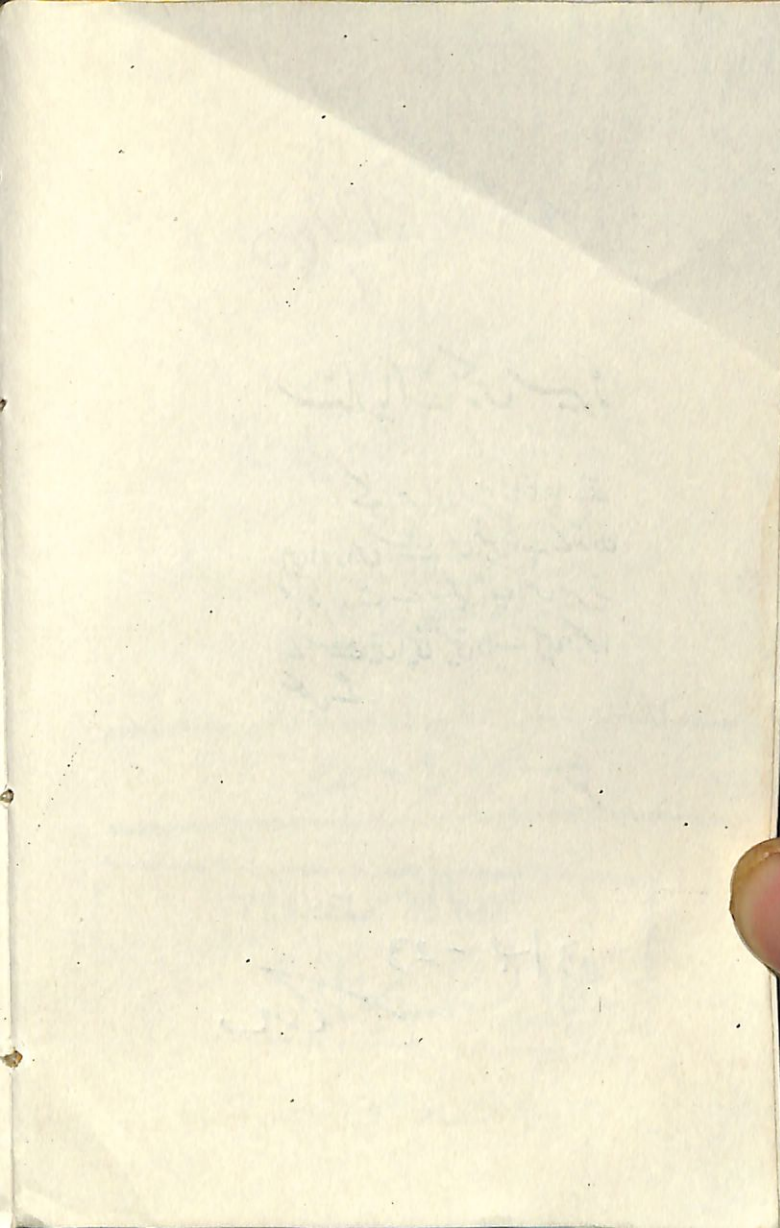
ابرِ سپید سفید سے بالوں کے سامنے
سنبل ہے زرد گیسوؤں والوں کے سامنے

محسن نے کن انکھیوں سے زہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک اداکارانہ انداز میں یہ شعر پڑھا
اور حور شمائل زہرہ اس کا لطف لیتے ہوئے بولی۔

"بڑا باکمال شاعر تھا۔ منیر شکوہ آبادی بھی ——"

"ہاں دیکھو تو، سو برس بعد پورا ہونے والا شعر کہہ گیا۔" محسن نے نگاہوں کو حسین
زہرہ کی نگاہوں سے ملا کر کہا اور زہرہ جھینپنے لگی۔

وہ یونہی کچھ کم خوبصورت نہ تھی۔ نسائی حیا کی ایک لطیف لہر رگوں میں دوڑی تو چہرہ
گلنار ہو گیا اور محسن شرارت آمیز انداز میں کہنے لگا۔

"اب میں روز ہی ایسے شعر پڑھا کروں گا۔"

"کیوں؟" زہرہ نے نظریں اس سے بچاتے ہوئے پوچھا اور محسن نے کہہ دیا۔

"تم کچھ زیادہ حسین بن جاتی ہو۔"

"ہٹو بھی۔ تمہیں ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں۔" زہرہ نے محبوبیت کی شان سے
اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی اور محسن نے اس کو یقین دلایا۔

"میں غلط نہیں کہتا۔ یقین نہ ہو تو آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے کو دیکھ لو۔"
زہرہ، محسن کو جھٹلانے پر تل گئی۔ اور صوفے سے اُٹھ کر فوراً دم آئینے کے روبرو جا کر کھڑی ہو گئی۔ محسن نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ اس کے پیچھے ایک پہلو میں اس طرح جا کر ٹھہر گیا کہ اُس کا چہرہ آئینہ میں زہرہ کے چہرے کے بالکل برابر دکھائی دینے لگا اور وہ اس کے عکس کی طرف اُنگلی اُٹھا کر کہنے لگا۔
"دیکھو، ہے نا وہی بات ——"
"جاؤ بھی، بناتے کیوں ہو مجھے۔" زہرہ قدرے شرماتے ہوئے بولی اور محسن نے برجستہ جواب دیا۔
"میں بھلا اتنا خوبصورت بنا سکتا ہوں۔ ممکن ہوتا تو میں خود ہی نہ بن جاتا —— !"
زہرہ اس کے اس فقرے پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور ایک آواز ان کو سنائی دی۔ جو چودھری منصور احمد کی تھی۔
"مقابلہ ہو رہا ہے صورتوں کا —— !"
محسن و زہرہ اس آواز پر چونک کر دیکھنے لگے اور چودھری منصور احمد کو سامنے پا کر گھبرا گئے۔ انہوں نے آج تک آپس میں اخلاق سے گری ہوئی ایک بات بھی نہ نکالی تھی اور نہ حد سے زائد بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ پھر بھی ان کے دلوں میں ایک چور تھا اور وہ اس عالم میں پکڑے گئے تھے۔ جس سے مختلف قسم کے شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور وہ سہمی سہمی نظروں سے منصور احمد کی طرف دیکھنے لگے۔
منصور احمد دونوں کو اس قدر قریب پا کر ایک دوسرے خیال میں کھو گئے تھے اور وہ وفورِ مسرت میں ان کے تاثرات سمجھنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے صوفے پر ٹک کر ریاض سے سوال کر دیا۔
"بجت کیسی کی چھٹی —— ؟"

"محسن کی۔" زہرہ نے باپ کے بشرے پر ناراضگی کی کوئی علامت نہ پا کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا اور محسن بول اٹھا۔

"نہیں یہ غلط کہتی ہیں۔ میں ان سے کس طرح جیت سکتا ہوں۔"

"تم دونوں سچے ہو۔" منصور نے دونوں کی بات رکھنے کے لئے کہہ دیا۔ زہرہ محسن کی نظریں ایک بار بلا ارادہ مل کر جھک گئیں اور ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل گئی۔ منصور نے اپنی بزرگانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک فیصلہ دیدیا تھا اور اپنی طرف سے کسی کی دلشکنی نہ ہونے دی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا فیصلہ حرف بحرف صحیح تھا ایک نے دوسرے کو اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھا تھا۔ اور خود کو ہارا ہوا محسوس کیا تھا۔

چودہری منصور احمد اودھ کے ایک رئیس تھے۔ کافی دور اندیش اور سمجھدار۔ انہوں نے زمینداریاں ختم ہونے سے قبل آنے والے وقت کا خیال رکھا تھا اور کئی کمپنیوں میں حصے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف شہروں میں عمارتیں خریدلی تھیں جن کے کرایہ سے اتنی ماہانہ آمدنی ہوجاتی کہ اب بھی وہ رئیسانہ زندگی گذارتے تھے اور ان کا شمار شہر کے متمول لوگوں میں ہوتا تھا۔

زہرہ ان کی اکلوتی لڑکی تھی۔ بڑھاپے کا واحد سہارا اور جائداد کی تنہا وارث۔ بڑی منتوں مرادوں کی اولاد اور ناز ونعم کی پالی ہوئی۔

بچپن سال کی عمر میں وہ منصور کے گھر میں ستارۂ سحری کی طرح اتری تھی اور در ودیوار اسکے وجود سے روشن ہوگئے تھے۔ اس لئے وہ نہ صرف ماں باپ ہی کو عزیز تھی بلکہ ہر متعلق آدمی کو پیاری تھی اور تھی بھی وہ اسی لائق۔ جو اس کو دیکھتا۔ بھولے پن پر کچھاور ہونے لگتا اور خود وہ جس پر نگاہیں جما دیتی۔ اس کی آنکھوں میں کھپ کر دل میں بس جاتی — اور شاید یہی سبب تھا جو محسن کے باپ شاہد اس کو بیٹے سے زیادہ چاہتے تھے۔

شاہد کا سلسلۂ ملازمت چودہری منصور احمد کے گھر میں کئی نسلوں سے تھا اور وہ کسی

لازم کی بجائے رشتہ دار معلوم ہوتے۔ منصور کی بیوی ان سے پردہ نہ کرتیں۔ وہ بلا روک ٹوک محلسرا میں جا سکتے اور اُن کا شمار اُن وفاداروں میں ہوتا تھا جن کے لئے پسینے پر خون بہانے کی کہاوت کہی جاتی ہے۔

محسن، شاہد کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اور اسی حیثیت سے اُس کی آؤ بھگت بھی ہوتی تھی۔ وہ بچپن سے لیکر اس وقت تک زہرہ کے ساتھ اُٹھا بیٹھا کھیلا کودا تھا اور جوان ہو جانے کے بعد بھی اسی طرح گھلا ملا تھا۔ گویا اُس کے اور زہرہ کے مابین کوئی جنسی تفریق نہ تھی۔

منصور احمد کے بعض رشتہ دار اس خلا ملا کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن خود منصور کے لئے ان کی یگانگت موجب مسرت تھی۔ وہ ان کے خلوص کو اچھی نگاہ سے دیکھتے اور دائرہ تہذیب میں ہمت افزائی کرتے رہتے۔

اس وقت بھی ڈرائنگ روم میں اُن کا چلا آنا ایسے ہی تاثر کے ماتحت تھا۔ وہ گیلری میں گذر رہے تھے کہ محسن و زہرہ کی باتوں کی آواز کان میں پڑی اور وہ دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔

چند منٹ انہوں نے دونوں سے رسمی باتیں کیں۔ پھر ایک شفقت آمیز نگاہ ڈالتے ہوئے چلے گئے اور زہرہ محسن خود بخود مسکرانے لگے۔

انھوں نے بے شعوری کے دور سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور ان کے دلوں نے ہمیشہ ایک خلوص، ایک قربت، اور ایک محبت کا احساس کیا تھا ——— ان کے نزدیک اب یہ محبت استوار ہو رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ بچپن میں دیکھنے والی نگاہیں جوانی کے دائرہ میں داخل ہو کر اپنے زاویئے بدل رہی ہیں اور دلوں کی معصومانہ طلب فطری تقاضو کے مطابق جنسی بنتی جا رہی ہے۔

زہرہ کی عمر سولہ سال اور محسن کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہوگی انہوں نے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے امتحانات دیئے تھے اور نتیجہ کے منتظر تھے۔

زہرہ کا ارادہ تھا کہ اگلے سال وہ یونیورسٹی میں داخلہ لے گی۔ اس دن محسن سے
اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ شعر و شاعری کا تذکرہ آ گیا۔ اور محسن نے کئی شعروں کے
بعد منیر کا وہ شعر پڑھ دیا جو زہرہ پر چھا گیا اور محبت کے خاموش نغمے چھڑ گئے۔

شاہد و منصور کے واسطے سے محسن و زہرہ کے درمیان مالکہ و ملازم کا رشتہ تھا۔
لیکن منصور جب شاہد کو برابر درجہ دیتے تھے تو زہرہ کے لئے محسن کو کمتر سمجھنے کا محل ہی نہ
تھا وہ اس کو شاہد چچا کا لڑکا اور اپنے بچپن کا رفیق قرار دیتی تھی اور جہاں تک باہمی ربط
کو کوئی نام دینے کا سوال ہے اس پر اس نے کبھی غور ہی نہ کیا تھا۔ تاہم اس سے انکار
نہیں ہو سکتا کہ پچھلے سال سوا سال سے ان کے انداز دید میں ایک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔
اور محسن کبھی کبھی دل کی بات کہہ جاتا جس کو سمجھ کر بعد میں اُسے شرمندہ ہونا پڑتا تھا ——
چنانچہ اس دن بھی یہی ہوا۔ اور اس نے دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ وہ زبان کھولنے
میں احتیاط برتے گا ورنہ زہرہ بگڑ جائے گی۔

زہرہ محسن کو اپنے متعلق ہر بات کا مستحق سمجھتی تھی۔ بلکہ اس طرح کے تبصرے پر
اس کی دل دھڑکنیں بڑھ جاتی تھیں اور جی چاہتا تھا کہ وہ ایک تسلسل سے ایسی ہی باتیں
کرتا رہے —— حالانکہ یہی زہرہ اپنے چہرے پر کسی غیر نوجوان کی نگاہ کا بوجھ بھی برداشت
نہ کر پاتی تھی اور کسی کو اپنے جانب گھورتے دیکھتی تو اس کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے اور وہ
اپنی اس ادا کی بدولت نوجوان طبقہ میں متکبر اور مغرور مشہور تھی۔

اس روز منصور کے چلے جانے پر وہ چھوٹے ہوئے موضوع کو پھر تازہ کرنے کی کوشش
کرتی اور ہو سکتا۔ کہ محسن پھر کوئی ایسا ریمارک کر جاتا جس سے وہ محظوظ ہوتی مگر محسن
کو کسی دوست سے ملنے جانا تھا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور زہرہ بھی اس کے ساتھ ٹہلتی ہوئی باہر
تک آ گئی۔

وہ گیلری سے نکل کر برآمدے تک پہنچے ہی تھے کہ سامنے سے شاہد آتے نظر پڑ گئے۔

زہرہ نے ان کو سلام کیا اور وہ دعائیں دیتے ہوئے قریب آگئے۔ ان کی نظریں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں اور آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی چمک پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ —— ایسی چمک جو شاہد یا زہرہ کسی کو منصور کی آنکھوں میں نظر نہ آئی تھی۔

شاہد نے ہمیشہ محسن و زہرہ کو ایک نگاہ سے دیکھا اور بعینہٖ یہی صورت منصور کی بھی تھی۔ وہ بھی محسن سے اسی شفقت سے پیش آتے رہتے تھے جو زہرہ کے لئے روا رکھتے تھے۔ پھر بھی بعض وقت شاہد کا انداز کچھ اور ٹھہرا جو کسی کے لئے بھی قابلِ فہم نہ ٹھہرا اور جس کے معنی صرف شاہد ہی جانتے تھے۔

محسن کو ایک طرف قدم اٹھاتے پا کر انہوں نے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو بیٹے؟"

"ایک دوست کو وقت دے دیا تھا اس سے ملنے جا رہا ہوں۔" محسن نے بتایا اور شاہد نے کہا۔

"اچھا جب واپس ہونا تو تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس آ جانا۔"

"کوئی ضروری کام ہو تو نہ جاؤں۔" محسن نے دریافت کیا اور شاہد بولے۔

"نہیں، ہو آؤ —— راتوں میں یا کل صبح کو مل لینا مجھ سے۔"

"بہت اچھا —— "محسن نے ایک فرمانبردار بیٹے کی طرح کہا اور سلام کر کے روانہ ہو گیا۔

زہرہ و شاہد اس کو جاتا دیکھتے رہے۔ وہ جب نظروں سے اوجھل ہو گیا تو زہرہ بھی اپنے مقام پر جانے کے لئے مڑ گئی اور شاہد اس پر نظریں گاڑے رہے۔ پھر انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی لمبی لمبی سانسیں لیں اور ایک طرف کو چلے گئے۔

محسن، شاہد کا حقیقی بھتیجا تھا۔ وہ اس کو جان سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ محسن کی ماں اس کو چار سال کا چھوڑ کر مر گئی تھی۔ شاہد نے ماں اور

باپ دونوں کے فرائض انجام دیتے تھے ـــــ منصور نے بیوی کے مرنے کے بعد شاہد کو اپنی ہی کوٹھی میں جگہ دے دی تھی ۔ محسن نے یہیں پرورش پائی تھی اور اب باپ کے کمرے کے برابر ایک علیحدہ کمرے میں رہتا تھا ۔

کھانے پر باپ بیٹے کا ساتھ ہوتا تھا ۔ اس کے علاوہ باقی اوقات کے مشاغل الگ الگ تھے ـــــ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ محسن کا کھانا منصور یا زہرہ کے ساتھ ہوجاتا تو اکیلے ہی شاہد کو کھانا پڑتا تھا ۔ یہی سبب تھا کہ انھوں نے اس کو ٹائم دیدیا تھا کہ وہ آئے ضرور اور بات اس کے ذہن سے اُترنے نہ پائے ۔

محسن ایک اطاعت شعار لڑکا تھا ۔ شاہد کے الفاظ اس کے کانوں میں کھٹکتے رہے اور اس کو ایک اُلجھن سی ہوتی رہی ۔

"کیا کہنا ہے ابا کو ـــــ کہیں کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی مجھ سے ـــــ ؟"

اس نے سطحی طور پر اپنے اعمال کا جائزہ لیا ۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی ۔ آخر وہ کسی نہ کسی طرح دوست سے پیچھا چھڑا کر قبل از وقت پلٹ پڑا ۔ اور باپ کے کمرے میں پہنچ گیا ـــــ اتفاق سے شاہد موجود تھے ۔ انھوں نے اس کو پیار بھرے انداز میں قریب اُٹھایا اور اس کے استفسار پر کہنے لگے ۔

"میں تم سے زہرہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔"

محسن لرزا تھا کہ شاید اس کے باپ نے نگاہوں کا چور پکڑ لیا ہے لیکن اس کو زیادہ دیر خوف زدہ رہنا نہ پڑا اور شاہد نے کہہ دیا ۔

"تم اس حقیقت کو بھول جاتے ہو کہ وہ ہمارے مالک کی بیٹی ہے ـــــ"

"کیا میں نے کوئی گستاخی کی ہے اس سے ؟" محسن نے متحیر ہوکر دریافت کیا اور شاہد نے ملائمت کے ساتھ بتایا ۔

"نہیں ، یہ بات نہیں ، منصور و زہرہ دونوں تم سے بہت خوش خیال ہیں ـــــ

مگر میں تمہارا اور زہرہ کا زیادہ خلا ملا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ تمہارا اس کا کوئی جوڑ نہیں۔"
محسن سن سے رہ گیا۔ باپ کے حکم پر سر اطاعت جھکا کر اس نے وعدہ کر لیا۔
"آئندہ میں احتیاط کروں گا۔"
"ہاں مجھے تم سے اس سعادتمندی کی امید تھی۔ تم خود صاحب شعور ہو۔ سمجھ سکتے ہو کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند زیب نہ دے گا۔" شاہد بولے اور محسن دزدیدہ نظروں سے ان کو دیکھ کر رہ گیا۔ وہ اس قدر کمتری کے احساس کو پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن شاہد کی تردید کرنا بے ادبی تھی اس لئے حرف بحرف تعمیل کا وعدہ کرتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور سلام کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔
محسن کا اس وقت عجب عالم تھا۔ خیالات کے خلا میں قدم اُٹھانا اس کے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ اور سینکڑوں سوالات ذہن میں پیدا ہو گئے تھے۔
"میں نے زہرہ کے لئے دامنِ آرزو تو نہیں پھیلایا۔ پھر مجھ سے کیوں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک آسمانی مخلوق ہے، کسی ساکنِ ارض کی دسترس سے دور ـــــ"
اپنے کمرے کی طرف چلتے چلتے اس نے دل کی گہرائیوں کا جائزہ لیا اور اس میں زہرہ کی تصویر منعکس پا کر کہنے لگا۔
"وہ مجھ کو دیکھنے میں اچھی لگتی ہے تو یہ کوئی آج کی بات تو نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ سے اس کو چاہا ہے اور اس چاہت کے وہی معنی تو لئے نہیں جا سکتے۔ جن کے تحت مجھے ممانعت کی گئی ہے ـــــ"
محسن کے لئے باپ کے حکم سے سرتابی کا کوئی سوال نہ تھا۔ جائز و ناجائز جو حکم اس کو دیا گیا تھا اس پر اُسے عمل کرنا تھا۔ پھر بھی غور طلب یہ امر تھا۔ اس کو روکا کیوں گیا تھا ـــــ شاہد کی طرف سے از خود اس کے راستے میں روڑے اٹکانے کی امید نہ ہو سکتی۔ اس لئے ایک خیال خود بخود پیدا ہونے لگا۔

"کہیں منصور نے دن کے واقعہ سے متاثر ہو کر شاہد کے ذریعہ یہ تنبیہ تو نہیں کرائی ہے؟"

"مگر اُن کا رویّہ تو ہمیشہ ہمت افزا رہا ہے۔ وہ ہمارے ربط و ضبط کو ناپسند کرتے تو خود کہہ سکتے تھے۔" محسن نے اپنی بدگمانی کی تردید کی۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ میں نہ آسکی اور آخر اس کو یہی رائے قائم کرنا پڑی۔

"منصور کے اخلاق نے خود کچھ کہنے کی اجازت نہ دی ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے باپ کے ذریعے میرے گوش گزار کرادیا۔"

شاہد کے جملے اس کے لوحِ دماغ پر نقش ہو گئے تھے اور اس کی خودداری مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کی مثال کو گوارا نہ کرتی تھی۔ مگر اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے پوری یکسوئی کے ساتھ اس نے سوچا تو اس کو تسلیم کرنا پڑا۔

"سرمایہ دار کتنا ہی منکسر مزاج کیوں نہ ہو۔ لیکن غریب کے لئے اس کی ذہنیت دوسرے سرمایہ داروں جیسی ہی ہوتی ہے —— شاہد نے اُس سے جو کچھ کہا ہے وہ منصور ہی کے الفاظ ہیں اور انھیں کی ہدایت پر۔"

محسن کو اس تیقّن سے بڑی تکلیف پہنچی۔ منصور کی عزّت اس کی نگاہ میں کم ہو گئی۔ مگر اس نے ان کے متعلق کسی باغیانہ جذبے یا مکروہ خیال کو دل میں جگہ کرنے نہ دی اور اپنے کو سمجھا لیا۔

"اِس دُنیا سے اونچ نیچ کا فرق مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ منصور کو بھی رواج و سماج کے لحاظ نے مجبور کر دیا۔ ورنہ وہ میرے متعلق ایسا تصوّر بھی نہ کر سکتے۔"

عالی خیال اور بلند کردار نوجوان نے اپنے باپ کے مالک اور اپنے محسن کی بریت کا ایک جواز پیدا کر لیا۔ اور اِس بے وقعتی کا ذمہ دار اپنی خاندانی مفلسی کو ٹھہرالیا۔

"میرے باپ غریب ہونے کے بجائے ذرا بھی دولتمند ہوتے تو منصور میرے ساتھ

ہرگز یہ سلوک نہ کرتے ۔ ،،

زہرہ نے اس کے ساتھ زندگی کی پندرہ بہاریں دیکھی تھیں ۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غنچۂ نودمیدہ سے ایک شگفتہ پنکھڑی کی تعریف میں آ گئی تھی اور اب اس کلی کی پنکھڑیاں ہوا کے ایک لطیف جھونکے کی منتظر تھیں جس کی ہلکی سی تحریک پر وہ منہ کھولنے لگتیں ۔ اور کلی کی فطری مہک اور صورت نکھار دیکھنے والے کی مشامِ جاں تک معطر کر دیتیں ۔

محسن اپنے کو زہرہ کے دیکھنے کا سب سے زائد حقدار سمجھتا تھا جس سے وہ محروم کیا جا رہا تھا —— منصور یا شاید اس سے کہتے کہ وہ لکھنؤ چھوڑ کر کہیں چلا جائے اور وہ زہرہ کے سامنے نہ ٹھہرے تو اس کے لئے صبر آزما نہ ہوتا ۔ کچھ روز تڑپ کر وہ اپنے کو دوسرے مشاغل میں اُلجھا لیتا لیکن مصیبت یہ آ پڑی کہ زہرہ پہلے کی طرح اب بھی اس کے قریب رکھی جا رہی تھی اور کہا یہ جا رہا تھا ۔

،، اس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا کم کر دو ۔ زیادہ ہنسنے بولنے کو چھوڑ دو اور ہمیشہ کی اپنائیت کو ایک غیریت میں بدل دو ۔ ،،

محسن ان پابندیوں کو اپنی سخت آزمائش قرار دیتا تھا ۔ مگر منصور کے مربیانہ برتاؤ اور باپ کی حرمت نے سرتابی کی اجازت نہ دی ۔ اور اس کو ایک عزم کرنا پڑا ۔

،، مجھ پہ کچھ ہی کیوں نہ بیت جائے لیکن میں اس امتحان میں پورا اتروں گا اور حتی المقدور زہرہ کے سائے سے بھی بچتا رہوں گا ۔ ،،

کہنے کو اس کا یہ ارادہ کچھ زیادہ اہم نہ تھا لیکن عمل کا وقت آیا تو محسن کو اپنے آپ پر قابو رکھنا دشوار ہو گیا —— وہ کئی بار بلا ارادہ کمرے سے باہر نکل آیا اور بہت کہہ سن کر اپنے کو واپس لے جا سکا ۔

بے قراری حد سے بڑھی تو وہ چھپ چھپ کر حسین زہرہ کو دیکھنے لگا —— یہ وہ پابندی تھی جس نے اکرم محبت کے بند سوتوں کو کھول دیا اور محسن پر زہرہ کے لئے

اپنے صحیح رجحانات روشن ہوگئے۔

چودھری منصور احمد خاندانی رئیس تھے۔ ان کا تعلق لکھنؤ کے مضافات میں واقع تھا اور شہر کے ملحق اپنے ہی ایک قریے میں اُن کی عالیشان کوٹھی بنی ہوئی تھی جو موتی باغ سے صرف چند فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔ اس طرح ان کا شمار لکھنؤ کے ساکنوں میں ہوتا تھا
ملک کے ایک عام قانون کے مطابق ریاستیں ختم ہو چکی تھیں۔ لہذا شانِ ریاست باقی رہ جانے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ لیکن منصور نے اپنے دوسرے ذرائع پیدا کر لئے تھے۔ اس لئے اُن کی کوٹھی میں اب بھی بیس پچیس ملازم تھے اور یہ سب ملازم شاہد کے ماتحت تھے۔ شاہد کوئی تعلیم یافتہ آدمی نہ تھے۔ معمولی پڑھے لکھے اور ایک سیدھے سادے مسلمان۔ مگر ان کا سب سے بڑا وصف ان کی وفاداری تھی۔ جس نے منصور کی نگاہ میں ان کو باوقعت بنا دیا تھا۔
شاہد اور کسی اعتبار سے خوش نصیب ہوں یا نہ ہوں لیکن اس لحاظ سے اُن سے مقدر کی قسم کھائی جا سکتی تھی کہ ان کا سابقہ انتہائی مردم شناس اور باوضع لوگوں سے پڑا تھا حالانکہ ان لوگوں کا خود شاہد کے متعلق بھی یہی کہنا تھا، اور منصور سے زیادہ ان کی بیوی قدسیہ شاہد کی معترف تھی۔
قدسیہ منصور کی دوسری بیوی تھی۔ پہلی بیوی کے لاولد فوت ہو جانے پر منصور کی توقعات قدسیہ سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ مگر شادی کو چودہ پندرہ سال گزر گئے اور منصور کی ریاست کا وارث پیدا نہ ہوا تو اُن کو ایک فکر دامن گیر ہونے لگی۔ انہوں نے قدسیہ کا طبی معائنہ کرایا اور ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر مایوس کن جواب دے دیا۔

مشرق کے رؤسا اور امراء کثرت ازدواج کے لئے زبان زد ہیں لیکن منصور ایک بلند کردار انسان تھے۔ انہوں نے پہلی بیوی کے مرنے کے بعد قدسیہ کی شکل دیکھی تھی اور اب پچاس پچپن برس کی عمر میں کسی تیسری عورت کا تصور کر رہے تھے تو مسند ریاست کی خالی ہونے والی جگہ کو پُر کرنے کے لئے ــــ اُن کو قدسیہ کی برابر کسی عورت کو لا بٹھانے کا صدمہ تھا مگر کیا کرتے ؟ یہ بھی تو اُن کو گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ اتنے بڑے تعلقہ کو تنہا چھوڑ کر اُٹھ جائیں۔
قدسیہ کو ایک عورت کی حیثیت سے یہی برداشت نہ ہو سکتا تھا کہ اس کا شوہر کسی اور کو پیار کی نظر سے نہ دیکھے گو کہ اس کے متعلق یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ وہ ماں بننے کے لائق ہی نہیں ہے۔

غم زدہ منصور کی فلک ستائی بیوی وفور الم میں گنگا جمنا ایک کر رہی تھی اور کوٹھی کے در و دیوار پر مایوسیوں کے بادل چھا رہے تھے کہ شاہد کسی ضرورت سے زنان خانہ میں گیا اور بدنصیب قدسیہ اُس سے کہنے لگی۔

"تم بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے میری شاہد ؟"

شاہد منصور سے زیادہ حور شمائل اور فرشتہ سیرت ملکہ سے متاثر تھا۔ اس نے کہا۔
"میں کسی کام آسکوں تو جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔"

"اپنے مالک کو کسی بچے کے گود لینے پر آمادہ کرو ــــ" قدسیہ نے اس کو ایک راستہ دکھایا اور شاہد نے وعدہ کر لیا۔

"اپنی سعی کچھ اُٹھا نہ رکھوں گا ــــ"

شاہد نے قدسیہ کو دیئے ہوئے قول کے مطابق منصور کو بہت سمجھایا لیکن منصور اپنی نسل کو ختم کر دینے پر آمادہ نہ ہوئے اور شاہد نے قدسیہ سے مجبوری کا اظہار کر دیا۔
بے بس عورت پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور شاہد اس کی بدنصیبی پر کڑھتے رہے ــــ آخر ایک دن قدسیہ نے شاہد کو خاص طور پر بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی۔

"کیا تم میری خاطر کوئی قربانی دینے پہ تیار رہو ۔۔۔ ؟"

"مر کٹوانے میں بھی عذر نہ کروں گا۔" شاہد نے حامی بھر لی اور قدسیہ نے مکرر تصدیق کی۔

"پھر تو نہ جاؤ گے اپنے وعدے سے ؟"

"قطعاً نہیں ۔۔۔" شاہد نے الفاظ دہرائے اور قدسیہ رازدارانہ طریقے پہ بڑی دیر تک اس سے کچھ کہتی رہی۔ شاہد کا رنگ اڑتا جا رہا تھا اور سانس دھیمی پڑ گئی تھی۔ قدسیہ اپنی بات ختم کر چکی تو وہ کچھ سہما سہما سا تھا۔ جس پر قدسیہ نے کہا۔

"دیکھو، تم وعدہ کر چکے ہو مجھ سے۔"

شاہد کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بت بنا ایک مقام پہ کھڑا رہا۔ اس اثنا میں منصور باہر سے آگئے اور قدسیہ ان کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"ارے تم میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اس فن کے کسی ڈاکٹر کا پتہ لگاؤ۔"

"جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے۔ وہ کوئی معمولی ڈاکٹر نہیں ہیں بیگم۔" منصور نے قدسیہ کو توجہ دلائی۔ وہ بولی۔

"میں ان کی تشخیص کو نہیں مانتی ۔۔۔ اور ایک مجھ پہ ہی کیا موقوف ہے۔ کل شاہد کی بیوی آئی تھیں۔ وہ بھی کہہ رہی تھیں کہ ان کے میکے میں ایک عورت کے پچیس سال کے بعد بچہ ہوا۔"

قدسیہ نے ایک گہری سانس لیکر شوہر کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔

"شاہد کی بیوی نے بتایا ہے کہ ایک فقیر کوئی بوٹی دیتا ہے۔ اس سے کئی بانجھ عورتیں صاحب اولاد ہو گئیں ہیں۔"

"تو کیوں نہیں منگوا لیتیں وہ بوٹی ۔۔۔ ؟" منصور نے توجہ دلائی اور قدسیہ نے کہا۔

"تاکید تو کر دی ہے میں نے شاہد کی بیوی کو۔"

"میں کل ہی پرسوں پیر، خود جا کر اس بوٹی کو لا دوں گا۔" شاہد نے آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا اور قدسیہ کو سلام کر کے چلے گئے۔

منصور تیسرے عقد کے انتظامات کر ہی رہے تھے کہ شاہد نے بوٹی لا کر قدسیہ کو کھلا دی اور قدسیہ اُس کی کرامت دیکھنے کے لئے آٹھ دن کٹنے کا انتظار کرنے لگی۔

منصور جو کچھ کرنے جا رہے تھے وہ بوالہوسی یا نفس پرستی کی بجائے ایک مقصد کی خاطر تھا۔ لہٰذا انہوں نے قدسیہ کی درخواست کے مطابق کسی عورت کا انتخاب کرنے میں جلدی نہ کی اور ایک دن اس کی محبوب بیوی نے قلبی مسرت کو شرم میں چھپاتے ہوئے کہہ دیا۔

"میرا پاؤں کچھ بوجھل معلوم ہوتا ہے۔"

منصور کے دل میں خوشیوں کے چراغ جل اُٹھے اور وہ وفورِ مسرت میں بوکھلا گئے۔ مگر قدسیہ نے اس کو حیا آمیز ادا سے تنبیہ کی۔

"ابھی اس بات کو منھ سے نہ نکالئے گا۔ کہیں نظر نہ لگ جائے دشمنوں کی۔"

اولاد کے بھوکا یقیں فوراً ان گیا۔ اس نے زبان کو جنبش نہ دی — چند روز کے بعد شاہد کی بیوی خفیہ طور پر بلائی گئی جو عمر میں قدسیہ سے چھوٹی تھی اور خود بھی حاملہ تھی مگر جس کی بابت بتایا گیا کہ وہ اس امر کی شناخت رکھتی ہے — اس نے مالکہ کے حاملہ ہونے کی تصدیق کر دی اور منصور کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

وہ پہلے دن سے قدسیہ پر کئی زچگیں ملازم رکھ دینا چاہتے تھے۔ مگر قدسیہ کی وہم پرستی نے اس کی اجازت نہ دی اور شاہد نے بھی اس کی تائید کر دی۔

"میرے خیال میں وقت سے پہلے کسی کو بتانا ہی نہ چاہیئے۔"

منصور کو عین ناامیدی میں گوہرِ مراد ہاتھ آ جانے کی امید بندھی۔ انہوں نے کسی کا کہنا رد نہ کیا — اسی زمانے میں قدسیہ نے خواب دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے۔

"تم بچے کی ولادت تک کے لئے اس کوٹھی سے چلی جاؤ —"

قدسیہ نے دوسرے ہی دن شوہر سے کسی دوسری جگہ بھیج دینے کو کہہ دیا اور شاہد نے رائے دے دی۔

"گرمیوں کا موسم قریب ہے کیوں نہ ان کو نینی تال روانہ کر دیجئے۔"

منصور نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا اور شاہد سے کہنے لگے۔

"تم کو اور تمہاری بیوی کو بھی ساتھ جانا پڑے گا۔"

"میں خادم ہوں، میرے لئے تو حکم کی دیر ہے۔" شاہد نے آمادگی ظاہر کر دی اور چند روز کے وقفہ سے منصور کا سامان نینی تال کے لئے لد گیا۔

ساڑھے تین چار سال کا محسن اپنے ماں باپ کے ساتھ تھا۔ منصور نے اس سفر میں پہلی بار اس کو گود میں اٹھایا اور اس کے لئے ایک پیار کا احساس کیا۔

اپریل کے شروع میں یہ لوگ کوہستان نینی تال کے پربہار دامن میں پہنچے اور اگست تک مقیم رہے۔ قدسیہ کو ساتواں مہینہ لگ رہا تھا۔ منصور چاہتے تھے کہ اب اس کو لکھنؤ واپس لے جائیں۔ مگر اس نے ضد کی کہ نینی تال میں ہی زچگی کا انتظام کر دیا جائے اور لکھنؤ کی کسی لیڈی ڈاکٹر کو قبل سے طے کر لیا جائے جو اطلاع ملتے ہی پہنچ جائے۔

دن قریب آ جانے کے باعث منصور اب دیکھ بھال کے لئے نرسوں کا ہونا بھی بہت ضروری سمجھتے تھے۔ اس کے لئے بھی شاہد نے ہی کہا کہ لکھنؤ سے ساتھ لیتے آئیں اور اپنی بیوی کے متعلق بتایا۔

"اس کے وہاں بھی عنقریب بچہ ہونے والا ہے۔ لہذا آپ واپس آ کر یہیں جلدی کریں۔"

منصور شاہد کو کوئی غیر نہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے دوسرے ہی دن رخت سفر باندھا۔ شاہد ان کو کاٹھ گودام تک پہنچانے آئے جہاں انھوں نے اپنی بیوی کے بارے میں بیان کیا۔

"اس کی طبیعت کچھ خراب ہو رہی ہے ممکن ہے کہ آپ کے پلٹنے تک کوئی خوش خبری سنائی جا سکے۔"

ہمیں سنے لوگل میٹرنٹی سینٹر میں کہہ رکھا ہے۔ تم فوراً وہاں سے مدد حاصل کر لینا"۔ منصور نے ان کو ہدایت کی اور شاہد نے تعمیل میں سر خم کر دیا۔ منصور چلے گئے اور شاہد پلٹ کر قیام گاہ پر آ گئے — جہاں واقعی ان کی بیوی بے چین تھی۔

شب میں اس کے یہاں محسن کے بعد دوسرے بچے کی ولادت ہوئی۔ مگر یہ بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا — اسی رات اتفاق سے قدسیہ کو بھی کچھ تکلیف محسوس ہونے لگی اور شاہد کی توجہ اس کی طرف منعطف ہو گئی۔

انہوں نے ایک میڈ وائف کی خدمات اپنی بیوی کے حاصل کی تھیں۔ اسی میڈ وائف نے قدسیہ کو جا کر دیکھا اور صبح ہوتے ہوتے ایک ستواسی بچی بیگم منصور کی گود میں کھیل رہی تھی جو زہرہ تھی اور جس کا پورا نام زہرہ جہاں رکھا گیا۔

منصور چار پانچ دن بعد دورے سے لوٹ کر پلٹے تو یہ خوش خبری کان میں پڑی اور وہ فرطِ مسرت میں پاگلوں کی طرح قدسیہ کی طرف دوڑے۔

زہرہ آغوشِ مادر میں کسی پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ منصور نے محبتِ پدری میں جھک کر اسے اٹھا لیا اور منہ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

مبارکباد دینے والوں میں سب سے پہلا شخص شاہد تھا اور منصور سب سے زیادہ شکر گزار انہیں کے تھے۔ کیونکہ وہ اتنی کد و کاوش کر کے فقیر کی دی ہوئی معجز نما بوٹی قدسیہ کو نہ کھلاتے تو منصور کو یہ روز سعید دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

شاہد کی مان دان منصور کی بارگاہ میں یونہی کچھ کم نہ تھی مگر زہرہ کی ولادت سے تو اس میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ قدسیہ تو اُن کو اتنا ماننے لگی گویا وہ کوئی عزیز خاص ہوں۔

ہفتوں کے فصل سے منصور جب لکھنؤ آئے اور ایک جشن عام کا انتظام کیا گیا تو انھوں نے اسی فقیر کو تلاش کرایا جس کے فیض سے ان کے ریاض بے بری میں گل جوانی کھلا تھا

مگر ان کو بہت دکھ ہوا جب شاہد نے آکر بتایا کہ وہ اپنی کٹی چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔

اس واقعہ کو پندرہ سال سے زائد گزر چکے تھے اور منصور نے گوشت پوست کے جس لوتھڑے کو نینی تال میں پہلے پہل ایک باپ کی نگاہ سے دیکھا تھا وہ حسن و شباب کے ایک مجسمے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ پھر بھی منصور اس کو کل کی بات سمجھتے تھے اور شاہد کے حافظے میں بھی اس کی یاد اسی طرح تازہ تھی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے گھر میں بھی اسی زمانے میں ولادت ہوئی تھی اور ان کی رفیقۂ حیات نینی تال ہی سے کچھ ایسی بیمار ہو کر آئی تھی کہ بہتر سے بہتر علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکی —— گویا منصور کی مراد اور شاہد کی نامرادی ایک ہی جگہ سے شروع ہوئی تھی اور تاثرات کے اختلاف کے ساتھ وہ جگہ اور زمانہ دونوں کے لئے ناقابلِ فراموش تھا۔

شاہد اپنی شریکِ حیات سے بہت مانوس تھے۔ ان پر اس کی موت کا بہت اثر پڑتا۔ مگر منصور نے فی الفور ان کو اپنی کوٹھی میں منتقل کرالیا۔ جہاں ان کو محسن کے ساتھ ساتھ زہرہ جیسا ننھا کھلونا بھی مل گیا اور وہ ان دونوں سے بہل گئے۔

پھر چودہ سال کی مدت نے ماضی کو ایک بھولی ہوئی کہانی بنا دیا تھا لیکن شاہد اب بھی اپنی حسین اور باوفا بیوی کو یاد کرتے تھے بالخصوص اس رات تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے جس کی سہ پہر کو انہوں نے محسن کو زہرہ سے دور رہنے کی تاکید کی تھی —— بادی النظر میں شاید صرف اس لئے کہ محسن کی ماں زندہ ہوتی تو جوان بیٹے کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوتی مگر حقیقتاً کسی اور خیال پر اور اس وجوہ کی بنا پر جن کو انھیں سینے میں رکھ کر گوشۂ قبر تک ساتھ لے جانا تھا۔ شاہد کو بیٹے کی سعادت پر پورا اعتماد تھا اور ان کو اس اعتماد میں دھوکا نہ ہوا۔ انہوں نے دیکھ لیا محسن جو وقت زہرہ کے پاس کاٹتا تھا اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں پایا گیا —— باپ کی نگاہ کو بیٹے کا چہرہ اترا ہوا نظر آیا اور ان کو ایک صدمہ ہوا تاہم انہوں نے اپنے کو سمجھا لیا کہ آہستہ آہستہ بہل جائے گا۔

شاہد کی یہ توقع اور یہ قیاس غلط ثابت نہ ہوتا۔ محسن وقت کا کوئی مصرف نکال کر خیال کو کسی دوسری طرف منتقل ضرور کر لیتا۔ لیکن زہرہ نے اس کو قرار لینے ہی نہیں دیا۔ تیسرے دن شاہد نے خود زہرہ کو محسن کے کمرے کے دروازے پر دیکھ لیا جو اندر جانے کی اجازت لے رہی تھی۔

شاہد کا دل دھک سے رہ گیا۔ ان کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے آنسو آ گئے جن کو پینے کی وہ کوشش کرنے لگے۔ اور ایک سوال اُن کے سامنے آ گیا۔

"کیا اب بھی کوئی بات محسن کے امکان کی ہے۔"

جواب ان کو نفی میں ملا اور انھوں نے فیصلہ کر لیا۔

"اب اگر کچھ کیا جا سکتا ہے تو زہرہ پر پابندی عاید کر کے اور یہ کام تو سیہ کا ہے"

محسن نے زہرہ کو ابتک بچپن کی رفیقہ اور ہر وقت کی ہم جلیس کے علاوہ نہ سمجھا تھا۔ دو دوستوں میں جو یگانگت اور خلوص ہوتا ہے، اپنے اور زہرہ کے ربط کو اس نے وہی معنی پہنائے تھے۔ اور اس کا اندازہ نہ تھا بھولے نوجوان کو کہ مختلف جنسوں کی یکجائی فطری تقاضوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

دورِ حاضر کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ ترقی پسند سوسائٹی نے لڑکوں اور لڑکیوں کی باہمی دوستی کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے اور ان کے نزدیک اس ربط و ضبط سے جنسی نتائج کا برآمد ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن عملی طور پر ہوتا یہی ہے کہ ہمہ وقت کا ساتھ اور تخلیے کی نشست غیر محسوس طور پر جسمانی طلب کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے اور بعض اوقات بے اختیارانہ تقاضا

ہیں وہ گل کھل جاتے ہیں۔ جن پر تا زندگی پچھتانا پڑتا ہے۔

زہرہ اور محسن خالص مشرقی ماحول کے پلے ہوئے تھے۔ ان کی تہذیب پر کسی نہ کسی حد تک مغربیت کا رنگ چڑھا ہوا ضرور تھا مگر مشرقیت کی روح فنا نہ ہونے پائی تھی وہ انگریزی لباس زیب تن کرتے تھے۔ لیکن بزرگوں کے سامنے با ادب اور سر خم کر کے بیٹھتے۔ لہجہ میں شائستگی اور زبان میں لوچ تھا اور آپس میں بات چیت کرتے تب بھی کوئی فحش موضوع چھیڑنے کا سوال نہ تھا۔

یہی سبب تھا جو جوان ہونے کے بعد بھی بہت دنوں تک وہ اپنے میلان کو سمجھ نہ سکے۔ ایک دن محسن نہایت محویت میں زہرہ کو دیکھ رہا تھا کہ زہرہ کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں اور آنکھوں میں جا کر ٹھہر گئیں ــــ محسن کا اس کی طرف دیکھنا کوئی نیا نہ تھا۔ وہ اکثر دیکھا ہی کرتا تھا لیکن اس دن اس کا انداز کچھ اور تھا ریاض شرما گئی اور محسن چونک پڑا۔

دلوں کی بات نگاہوں کے درمیاں پہنچی
کہاں چراغ جلے، روشنی کہاں پہنچی

محسن اپنی لغزش نگاہ کو سمجھنے کے لئے کوتاہ فہم نہ تھا۔ ضمیر نے ایک طرف کو رہبری کی مگر وہ انجان بن گیا اور پھر اس نے بہت دنوں تک ایسا موقع نہ آنے دیا۔

اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا کہ زہرہ کے لئے اپنی تڑپ کا بالکل صحیح اندازہ اس کو نہ ہو سکا۔ تاہم وہ اس حقیقت کو سمجھتا تھا کہ اس کو ریاض سے محبت ہے اور یہ محبت اس کے نزدیک مستحسن تھی۔ البتہ نوعیت محبت کی تبدیلی کا اس کو علم ہو جاتا تو وہ شاید کی طرف سے انسدادی تحریک کی نوبت نہ آنے دیتا اور خود سنبھلنے کی کوشش کرنے لگتا۔ لیکن قسمت تو کوئی اور شگوفہ کھلانے والی تھی۔ محسن کو اپنی کیفیت قلب کا حال اس وقت معلوم ہوا جب باپ کی طرف سے پابندی عائد ہو گئی اور پندرہ سولہ سال قریب رہنے والی تجلی کو دور کے جلوے کی تعریف

میں لے آیا گیا۔

محسن اپنی اور دوسروں کی نگاہ میں محبت کا قصوروار تھا۔ لیکن دراصل یہ بھی اس کی عالی خیالی اور بلند کرداری تھی۔ کیونکہ زہرہ سے محبت کرنا تو اس کو بچپن سے سکھایا ہی گیا تھا۔ اس نے منصور کی بیٹی پر گرویدہ ہو کر بزرگوں کے منشا کو پورا کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ جوانی کے دائرہ میں داخل ہو کر زاویۂ نگاہ بدل گیا تھا اور دل کی معصومانہ طلب نے تمنا کی شکل اختیار کر لی تھی جو معیوب قرار دے دی گئی تھی۔

محسن کو اپنے جرم کا احساس تھا حالانکہ وہ مجرم ہونے کے بجائے قابلِ ستائش تھا کہ اُس نے زہرہ کے اس قدر قریب رہنے کے باوجود مغرب زدہ سوسائٹی کے مقصد کو پورا نہیں کیا اور ہر وقت دیکھتے رہنے پر بھی چھونے کا آرزومند نہیں ہوا جو ایسے حالات میں انسان کے لئے عین فطرت بن جاتا ہے۔

وہ اب بھی بچپن کی رفیقہ کے لئے محبت برائے محبت کے علاوہ کوئی جذبہ نہ رکھتا تھا اس کی تمنا بس اسی حد تک محدود تھی کہ وہ سامنے ہوں اور انہیں دیکھا کرے کوئی۔ پھر بھی جب دن سے شاہد نے اس کو زہرہ کے پاس زیادہ اٹھنے بیٹھنے کو منع کیا تھا اس دن سے زہرہ کی چاہ اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لینے کا جذبہ سامنے آگیا تھا اور وہ سوچنے لگا تھا۔

"منصور نے مجھ پر یہ پابندی صرف اس لئے لگوائی ہے کہ وہ زہرہ کو کسی دوسرے سے ملانے کا موقع دیں ـــــ !"

محسن نے محسوس کیا کہ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن زہرہ کو کسی دوسرے کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا ـــــ ایک قیاسی خدشہ پر اُس کے خون کی گرمی بڑھ گئی۔ پھر انتہائی ذہنی اذیت میں وہ نڈھال ہونے لگا ـــ ایک دن تو اس نے کسی نہ کسی طرح گزار دیا۔ کئی مرتبہ وہ کچھ بے قابو سا ہو گیا اور کسی نے اس کو اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ پھر

وہ کچھ سمجھ کر بیٹھ گیا۔

دوسرے دن اضطراب اتنا بڑھ گیا کہ وہ چھپ کر زہرہ کو دیکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی اور وہ اپنے مقام پر آ کر قسمت کا رونا رونے لگا۔ اس کا ارادہ اگرچہ یہی تھا کہ باپ کی حکم عدولی نہ کرے گا لیکن اس پر عمل کرنا آسان نہ تھا۔ ضبط ناممکن ہو گیا تھا اور کلیجہ منہ کو آیا جا رہا تھا کہ ایک نغمہ بار آواز اس کے کان میں پڑی

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں —؟"

اس آواز نے بجلی کا کام کیا۔ محسن تیزی کے ساتھ اُٹھ کر دروازے پر پہنچ گیا — زہرہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"واہ کوئی اس طرح بھی بھولتا ہے — پرسوں کے غائب ہوئے اب تک دکھائی نہ دیئے —"

محسن ندیدوں کی طرح اس پر نگاہیں جمائے تھا۔ گویا وہ پچھلے اڑتالیس گھنٹوں کے عوض اکٹھا اس کو دیکھ لینا چاہتا تھا — زہرہ اس کے اس انداز پر حیا کا احساس کرنے لگی اور نگاہیں بچا کر پوچھنے لگی۔

"کہاں غائب رہے کل؟"

"ایک کتاب پڑھتا رہا دن بھر —" محسن نے بتایا اور زہرہ نے اظہار استعجاب کرتے ہوئے کہا:۔

"ارے تم سے میں کتنے دن کو۔ میں سمجھی چلے گئے کہیں۔ ورنہ سے جاتی خود آ کر"

محسن نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ کہنے لگی۔

"آؤ۔ وہیں بیٹھیں چل کر۔"

"تم چلو، آتا ہوں میں۔" محسن نے اس کو ٹالنے کے لئے بمشکل کہا اور زہرہ نے دریافت کیا۔

"کیوں، کوئی کام ہے یہاں۔"

"نہیں کوئی کام تو نہیں ہے۔ ذرا کتابیں ٹھیک کر کے رکھ دینا ہیں۔"

محسن نے بغیر بات کی ایک بات کہہ دی اور زہرہ بولی۔

"میں بیٹھی جاتی ہوں، اتنی دیر، تم کتابیں ٹھیک کرلو۔"

بات پوری کرکے وہ دروازے میں داخل ہوگئی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ محسن کے لئے اب کسی بہانے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ اس نے کتابیں ادھر سے اُدھر اُلٹ پلٹ کیں اور چلنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں کمرے سے باہر نکل کر برابر چلنے لگے۔ اور برساتی کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں منصور کی گاڑی لگی ہوئی تھی اور ڈرائیور ان کے برآمد ہونے کا انتظار کررہا تھا ——

زہرہ نے نزدیک پہنچ کر ڈرائیور سے پوچھا۔

"ابا حضور جارہے ہیں کہیں۔ ؟"

"جی ہاں، اسٹیشن جارہے ہیں۔ ان کے کوئی دوست معہ فیملی کے آنے والے ہیں۔"

ڈرائیور نے بتایا اور زہرہ کو یاد آگیا کہ کئی روز ہوئے منصور نے ذکر کیا تھا اور مہمان خانے کی صفائی اور آراستگی کا حکم دیا تھا۔ اس عرصہ میں ایک طرف سے شاہد اور دوسری طرف سے منصور آگئے۔ منصور دور ہی سے زہرہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"اسٹیشن نہ چلوگی۔ زہرہ ؟"

"جی مجھ کو یاد نہیں رہا۔ کپڑے نہیں بدلے ہیں نے۔" زہرہ نے عذر کرلیا اور منصور محسن کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"تم بھی یہی کہوگے —— ؟"

محسن کا سر جھک گیا۔ پھر وہ شاہد کی طرف دیکھ کر اکرم آمادہ ہوگیا۔

"میرے لئے کپڑوں کی کیا پابندی ہوسکتی ہے ——"

"تو پھر آپ کیوں نہیں جاتے۔" منصور نے کہا اور محسن نے زہرہ پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے قدم اٹھا دیئے۔ زہرہ ایک لحظہ خاموش رہی۔ پھر وہ ایک جھینپی جھینپی ہنسی ہنس کر بولی۔

"آپ لوگ چلے گئے تو میں اکیلی رہ جاؤں گی یہاں۔"

"تو تم بھی آجاؤ، کپڑوں کی کیا بات ہے اور یہ کپڑے کوئی میلے تو ہیں نہیں۔"
منصور نے مسکرا کر کہا اور زہرہ موٹر کے قریب پہنچ گئی۔

منصور پچھلی سیٹ پر ایک جانب محسن کو بٹھا چکے تھے۔ دوسری طرف انہوں نے زہرہ کو جگہ دے دی اور زیر لب مسکرانے لگے۔

شاہد ڈرائیور کی برابر بیٹھے تھے انہوں نے گھوم کر یہ منظر دیکھا اور پیشانی پر پر ایک گہری لکیر نمودار ہو گئی۔

منصور اور انوار میں بہت پرانے اور گہرے تعلقات تھے اور دور کی عزیز داری بھی۔ منصور کی ماں کلکتہ کی تھیں اور انوار کی پھوپھی لگتی تھیں۔ اس لحاظ سے انوار، منصور کے بھائی ہوتے تھے۔

منصور جب کلکتہ جاتے تو انوار ہی کے مہمان ہوتے۔ انوار بھی کئی مرتبہ منصور کے بلانے پر لکھنؤ آچکے تھے اور کئی کئی دن مقیم رہے تھے۔ وہ ایک بڑے تاجر تھے اور کنگ اسٹریٹ پر ان کا تھوک فروش کا بساط خانہ تھا۔

زہرہ ان کو اچھی طرح جانتی تھی اور اس کے ذہن سے اگر نہ جاتا تو خود ان کو

لانے کے لئے اسٹیشن ضرور جاتی ـــــ حالانکہ اس وقت اس کا جانا بادلِ ناخواستہ ہی ہوا تھا محسن گاڑی پر جا کر بیٹھ نہ جاتا تو وہ ٹال گئی تھی جس کا احساس منصور نے کیا۔ اور محسن سے اس کی یگانگت پر ایک مسرت کا احساس کرنے لگے۔

برخلاف اس کے شاہد کو زہرہ پر غصہ تھا کہ وہ بلا وجہ شاہد کے ساتھ ہو لی۔

گاڑی کوٹھی کے احاطہ سے نکل کر سٹرک پہ پہنچی تو زہرہ سے پوچھا۔

"کیا تم انوار کو بھول گئیں۔ ابھی تین سال ہوئے تو آئے تھے وہ ؟"

"نہیں ان کو نہیں بھولی ہوں۔ البتہ اُن کے آنے کو بھول گئی تھی۔" زہرہ ایک انداز خجالت میں بولی اور منصور نے بتایا۔

"اس دفعہ وہ معہ بیوی بچوں کے آرہے ہیں۔ تمہاری عمر کا ایک لڑکا حمید اور ایک بھتیجی سلمیٰ بھی ساتھ ہیں۔"

"ملوں گی ان سب سے ۔" زہرہ نے کہا اور منصور محسن سے مخاطب ہو گئے

"حمید بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم اس سے مل کر خوش ہو گے۔"

محسن نے سعادتمندانہ انداز میں سر خم کر دیا۔ اور منصور دونوں سے انوار کا غائبانہ تعارف کرانے لگے۔

اسٹیشن پر ان کو زیادہ دیر منتظر نہ رہنا پڑا۔ گاڑی ٹھیک وقت پر آ گئی۔ اور انوار ایک سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ سے اُترے۔

زہرہ و محسن دیکھ رہے تھے کہ ایک سوٹڈ بوٹڈ خوشرو نوجوان انوار کے پہلو میں کھڑا ہے اور بنگال کی ایک فرنگن نیم عریاں لباس میں اہل نظر کی مرکز توجہ بنی ہوئی تھی انہوں نے قیاس سے سمجھ لیا کہ وہ سلمیٰ اور حمید ہوں گے۔ اس درمیان میں قلی سامان اُٹھا چکے تھے۔ منصور و انوار آگے آگے روانہ ہو گئے۔ حمید سلمیٰ اور انوار کے دو چھوٹے بچے قلیوں کے ساتھ ہو لئے اور زہرہ و محسن سب کے پیچھے چلنے لگے۔

شاہد نے دو تانگے اور کئی رکشے روک لئے تھے۔ سامان تانگوں پر بار کر دیا گیا اور شاہد تانگوں کو لیکر روانہ ہو گئے تو منصور کو زہرہ۔ محسن کا خیال آیا۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہنے لگے۔

"ارے میں نے تم لوگوں کو آپس میں ملایا نہیں ابتک۔"

"ہم لوگ خود مل لیتے ہیں ۔۔۔" زہرہ نے کہا اور بڑھ کر سلمیٰ کے قریب پہنچ گئی دونوں شیک ہینڈ کر کے مسکرا دیں اور زہرہ حمید کی طرف گھوم پڑی جو محسن سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ اور محسن کہہ رہا تھا۔

"میں آپ کے معزز میزبان کے ایک خادم کا لڑکا ہوں۔"

"شاہد چچا کے صاحبزادے ہیں یہ۔" زہرہ دور سے بولی اور حمید نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ رسمی الفاظ ادا کر دیئے۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

زہرہ، سلمیٰ کو لے کر محسن کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے دونوں کو ملایا اور خود حمید کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"آپ غالباً مجھ سے اسم آشنا ضرور ہوں گے میرا نام زہرہ ہے۔"

"آپ کو بھی نہ جانوں گا تو کس سے واقف ہوں گا۔" حمید نے آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے زہرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور زہرہ اچانک سلمیٰ کی طرف گھوم گئی

"ارے اتنی جلدی بے تکلفی ہو گئی۔"

سلمیٰ محسن سے اس کا مکمل تعارف حاصل کر رہی تھی۔ زہرہ کے یکایک پڑنے پر کچھ جھینپ سی گئی اور زہرہ نے بڑھ کر اس کو آغوش میں لے لیا۔

منصور نے انوار اور ان کے دونوں بچوں کو گاڑی میں بٹھا دیا تھا اور سلمیٰ اور حمید کو یکجا کر کے کہہ رہے تھے۔

"تم دونوں بھی بیٹھ جاؤ آکر۔"

انھوں نے آگے پیچھے اس طرف کو قدم اُٹھا دیئے تو کسی قدر بلند آواز سے کہنے لگے۔

"زہرہ تم محسن کے ساتھ کسی رکشا پر چلی آؤ۔"

اس پر حمید نے گھوم کر محسن کی طرف دیکھا جس کا مطلب یہ تھا۔

"اچھا! آپ کی یہ قدر قیمت ہے ——!"

زہرہ منصور کے الفاظ سنتے ہی خوشی میں پھولی نہ سما رہی تھی۔ اس نے حمید کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ اور محسن کو لیکر ایک رکشا کی سمت چلنے لگی۔

انہوں نے بارہا منصور کی گاڑی میں ایک ساتھ سفر کیا تھا۔ لیکن آج وہ رکشا پر مل کر بیٹھے تو ان کو محسوس ہونے لگا کہ جیسے وہ سفر حیات کا آغاز کرنے جا رہے ہوں۔ اور ان کو اپنی منزل کا کوئی علم نہ ہو۔

منصور کا رہن سہن مغربیت کا کافی اثر قبول کر چکا تھا۔ پھر بھی ان کا تمدن حقیقتاً مشرقی تھا۔ چنانچہ ان کی بیوی قدسیہ اب بھی پردہ کرتی تھیں۔ انوار، منصور کے عزیز تھے مگر قدسیہ اُن کے سامنے نہ آتی تھی۔

اس مرتبہ منصور انوار کو بغیر اطلاع کے زنان خانے میں لئے چلے گئے اور قدسیہ اچانک سامنے پڑ گئی تو منصور نے کہہ دیا۔

"انوار دیور ہیں تمہارے، ان سے پردہ کیا کرو گی۔"

قدسیہ کو انوار کے سامنے بیٹھتے حجاب آ رہا تھا۔ لیکن شوہر کے حکم سے مجبور ہو گئی اور انوار ہنس کر کہنے لگے۔

"میں دعوت کھائے بغیر بڑی بھاوج کا منھ نہ دیکھوں گا۔"

"اب تو دیکھ ہی چکے۔" قدسیہ منھ دوسری طرف کر کے آہستہ سے بولی اور انوار

بولے۔

"دعوت تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔"

"اچھا بھئی، کل کھا لینا دعوت، قدسیہ ایسی گئی گذری تو نہیں ہیں جو اتنی سی بات میں نکل جائیں گی ۔" منصور نے ایک زیر لب تبسم کے ساتھ فقرہ چست کیا اور قدسیہ کو زبردستی دو ایک روز کا وقت لے کر ایک دعوت کا اہتمام کرنا پڑا۔

سلمیٰ و حمید حسب وقت سے آئے تھے۔ اس وقت سے کئی بار محلسرائے میں حاضری دے چکے تھے۔ اور قدسیہ نے بزرگ کی حیثیت سے حمید سے پردہ نہ کیا تھا۔ وہ خبر سُن کر فوراً دوڑ پڑے اور ان کے عقب میں ریاض و محسن بھی آکر پہنچ گئے۔

قدسیہ بچّوں میں گھر گئی اور وہ اس کو چھیڑنے لگے — حمید نے کہا۔

"چچی جان میرے لئے کیا پکوایئے گا — ؟"

سلمیٰ بولی۔

"میں اپنے نام کی اسپیشل ڈش منظور کرائے بغیر نہ رہوں گی۔"

"اور امّی حضور میں بھی تو مہمان ہوں۔ اسٹیشن سے ان لوگوں کے ساتھ آئی تھی"

زہرہ نے بچکانہ ادا سے کہا اور محسن نے اس کا ساتھ دیا۔

"سب کے بعد میں بھی توجّہ کا امیدوار ہوں —"

"آپ اپنا شمار پانچ سواروں میں ضرور کرایئے ۔" حمید تپ جانے کے انداز سے بولا اور سلمیٰ نے محسن نے حمایت کی۔

"میں بھی تو وہ چوتھے سوار ۔"

"نہیں، پہلا سوار ہے محسن، میں اس کو زہرہ سے کم نہیں سمجھتی ۔" قدسیہ نے ہر ایک کا منہ بند کر دیا اور زہرہ نہایت شگفتگی سے مجھ سے بڑا لمبا ہو گئی۔

"مبارک ہو — امّی حضور نے آپ کا درجہ بلند کر دیا — منہ میٹھا کرایئے"

اس دوران میں انوار کے دونوں چھوٹے بھتیجے بھی باہر سے آ گئے اور قدسیہ کے سر ہو گئے کہ ان کی دعوت علیحدہ کی جائے ۔

قدسیہ ہر ایک کا دل رکھنا چاہتی تھی ۔ اس نے کسی کو مایوس نہ کیا اور یہ لوگ تھوڑی دیر بیٹھ کر پلٹ پڑے ۔

وہ محلسرائے سے نکل ہی رہے تھے کہ شاہد کسی ضرورت سے داخل ہوئے ۔ زہرہ نے ان کو ادب سے سلام کیا ۔ سلمیٰ و محسن نے جس کی تقلید کی ۔ مگر حمید نے ہاتھ نہ اٹھایا ۔ وہ اپنے چچا کے ایک ملازم کو خود سلام نہ کر سکتا تھا ۔۔۔ شاہد دعائیں دیتے ہوئے گذر گئے لیکن زہرہ نے حمید کی بے ادبی کو محسوس کیا زبان سے تو اس نے کچھ نہ کہا ۔ تاہم اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور وہ کچھ مکدر ہو گئی ۔

شاہد اُن کو دیکھ کر سیدھے قدسیہ کے پاس پہنچ گئے ۔ پہلے انہوں نے وہ بات کہی جس کے لئے وہ گئے تھے ۔ پھر ادھر اُدھر دیکھ کر رازدارانہ انداز میں کہنے لگے ۔

" کیا خیال ہے حمید کے متعلق ۔ کیسا لڑکا ہے وہ ۔ "

" پسند تو نہیں ہے مجھ کو مگر غنیمت سمجھ لوں گی اس کو ۔ " قدسیہ بولی اور شاہد نے کہا ۔

" پھر کہتی کیوں نہیں ہیں منصور میاں سے ۔ "

" پہلے انوار کا عندیہ تو لے لوں ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ سلمیٰ سے منسوب نہ ہو ۔ " قدسیہ نے ایک خدشہ کا اظہار کیا اور شاہد نے جواب دیا ۔

" اس کی بھی تحقیق ہو جائے گی ۔ "

شاہد نے اس دن تمام باتوں کا پتہ لگا لیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ سلمیٰ کا باپ کلکتہ میں گرمنڈا نفیسر ہے ۔ انوار چاہتے ہیں کہ وہ حمید سے ہم رشتہ ہو جائے ۔ مگر سلمیٰ اس کو زیادہ منھ نہیں لگاتی ۔۔۔۔

شاہد کے مقاصد کے لحاظ سے یہ ایک اچھی خبر تھی۔ انہوں نے فوراً قدسیہ کو اطلاع کر دی
اور قدسیہ نے رات میں منصور سے ذکر چھیڑ دیا۔

"میں کہتی ہوں لڑکی جوان ہو گئی ہے اس کے لئے بھی کچھ سوچا ہے"

"ابھی تو وہ پڑھ ہی رہی ہے اور پھر اس کا سن ہی کیا ہے۔ سولہ سال کی عمر کوئی عمر
ہوتی ہے۔" منصور نے مطمئن لہجے میں کہا اور قدسیہ نے کہا۔

"تاہم کوئی فکر تو کرنا چاہیئے۔"

"فکر کیا کی جائے، اللہ کا دیا سب کچھ تو موجود ہے اور جو کچھ ہے وہ زہرہ ہی کا ہے"
منصور نے قدسیہ کا مافی الضمیر نہ سمجھتے ہوئے اس کو توجہ دلائی اور قدسیہ نے بات کی وضاحت
کر دی۔

"میرا مطلب کسی لڑکے کو تجویز کرنے سے ہے ــــ تمہارا کیا خیال ہے کیا آپ کے خیال میں"
"لڑکے کے لئے ادھر ادھر نگاہ دوڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو گھر ہی میں موجود
ہے۔" منصور نے ایک تحیر کا اظہار کیا اور قدسیہ جان بوجھ کر انجان بن گئی۔ اس نے منصور کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"لڑکا کون ہے، میں سمجھی نہیں ــــ"

"ارے تم محسن کو نہیں جانتیں" منصور استعجاب میں ڈوبتے ہوئے بولے۔

"محسن، شاہد کا لڑکا!" قدسیہ نے ایک استفہامیہ لہجے میں کہا اور اس سلسلہ میں سخت
متحیر ہو کر اضافہ کیا "اسے ہے۔ اب آپ اتنا گر جائیں گے کہ ایک ملازم کے لڑکے کو بیٹی دے
دیں گے۔"

"کیوں اس میں کیا مضائقہ کیا ہے۔ وہ کوئی بڑ قوم ہے ــــ" منصور نے اپنے
خیال کا اظہار کر دیا اور قدسیہ نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"توبہ، میں اپنی زہرہ کے بارے میں اس طرح سوچوں ــــ وہ بد قوم نہ ہو نادار

لیکن برادری میں ہمارے برابر کا درجہ نہیں رکھتا !"

"تمہاری ذہنیت بہت پست ہے ۔ تم اتنک اتنی بری طرح اونچ نیچ کے چکر میں پڑی ہوئی ہو ۔"

"آپ مجھے کچھ کہیں، مگر میں اپنی بیٹی کی زندگی خراب نہیں کر سکتی ۔" قدسیہ نے ایک فیصلہ صادر کر دیا اور منصور نے اس کو قائل کرنے کی کوشش کی ۔

"اور زہرہ خود محسن کو پسند کرتی ہو تو ـــــ ؟"

"وہ ایسی لڑکی ہی نہیں ہے جو ماں باپ کے ہوتے خود مختار ہو جائے ۔" قدسیہ نے شوہر کا یہ حربہ بھی خالی دیا اور منصور نے ایک قطعی بات کہہ دی ۔

"اچھا میرے تمہارے درمیان یہ بات طے رہی کہ زہرہ محسن و حمید میں جس کو پسند کرے گی ۔ اس کو ہم دونوں منظور کر لیں گے ۔"

"یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے جو بار بار لڑکی کی رائے کو درمیان میں لا رہے ہیں ۔ اس کی عقل و تجربہ ہی کیا ہے جو کسی کو پرکھ یا سمجھ سکے گی ؟"

"لیکن نباہ تو اسی کو کرنا ہے ۔ اس کو یکسر نظر انداز کر دینا اس پر بہت ظلم ہوگا ۔"

منصور نے بیوی کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے توجہ دلائی اور قدسیہ احتجاج کے طرز پر بولی ۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی روشن خیالی خاندانی روایات کو خاک میں ملا دے گی ۔"

"کچھ بھی ہو میں لکیر کا فقیر تو نہیں بن سکتا ـــــ اور اس غلط رواج کو باقی نہیں رکھ سکتا کہ جس کی شادی ہو اس سے پوچھا نہ جائے ۔"

منصور نے اپنے قطعی عزم کا اظہار کر دیا اور قدسیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی ـــــ اس کے چہرے سے سخت ذہنی پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت کرب میں مبتلا ہے جس کا احساس کر کے منصور نے کہا ۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں محسن سے اتنی ضد کیوں ہو گئی ؟"

"آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ میں شاہد کے بیٹے کو بہت چاہتی ہوں اور میری نگاہ میں وہ ایک جوانِ صالح ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ سماجی زاویۂ نگاہ سے وہ زہرہ کی سطح پر پورا نہیں اُترتا۔" قدسیہ نے شوہر کو اپنے راستے پر لانے کی ایک آخری کوشش کی اور منصور کسی قدر جھلا کر بولے۔

"یہ صرف تمہاری تنگ نظری ہے۔"

"میری تنگ نظری ہے۔ آپ ذرا اپنے حق کا واسطہ دے کر شاہد ہی سے پوچھئے" قدسیہ نے ایک نئی راہ پیدا کی اور اس سلسلہ میں کہا۔ "دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ لڑکی لڑکے کا جوڑ بناتے ہیں یا نہیں؟"

"اچھا، مجھے منظور ہے۔ شاہد نے کہہ دیا تو میں مان لوں گا۔" منصور نے زہرہ کی قسمت کا فیصلہ شاہد پر منحصر کر دیا اور قدسیہ نے اسی وقت شاہد کو بلوا بھیجا۔

شاہد سونے کے لئے لیٹ چکے تھے۔ وہ طلبی کی اطلاع پاتے ہی حاضر ہو گئے اور منصور ان کی صورت دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"اس وقت تم میرے اور بیگم کے درمیان جج کی حیثیت رکھتے ہو۔ اس لئے تم کو جانبداری سے کام نہ لینا چاہئیے۔"

"میں بھی اس قابل ہوں کہ آپ کے درمیان بول سکوں۔" شاہد نے انکساری کی اور منصور نے اس سے قطع نظر کر کے کہا۔

"بات بہت اہم ہے اس کا تعلق تمہارے پدری جذبات سے بھی ہے پھر بھی ہمیں اُمید ہے کہ تم کوئی پاس لحاظ کئے بغیر حق گوئی سے کام لو گے۔"

شاہد سمجھ گئے تھے کہ معاملہ کا تعلق محسن ہی سے ہے تاہم انہوں نے عقل آرائی کو دخل دینے کی کوشش نہ کی اور تعجب کا اظہار کرنے لگے۔

"آپ پہیلیاں بجھا رہے ہیں، مجھے میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میرا خیال یہ ہے کہ زہرہ کی شادی محسن سے نہیں ہو سکتی۔" منصور نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ شاہد نے ایک لحظہ کیلئے سر جھکا لیا۔ پھر نہایت مسکینیت کے ساتھ کہنے لگے
"یہ کیوں نہیں ہو سکتی ہے۔ مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔"

"دیکھئے وہی بات انہوں نے کہی جو میں نے کہی تھی۔" فدیہ فتحمندانہ لہجے میں بول اٹھی اور منصور نے اس ہارے ہوئے جواری کی طرح بیوی کی بات کاٹ دی جو آخری بازی ہار چکنے پر بھی جیت کی امید لگائے ہو۔

"یہ صرف شاہد کی منکسر مزاجی ہے۔ ان کی وفاداری اپنے کو میری سطح پر لانے کی اجازت نہیں دیتی۔"

"یہ بات بھی ہے اور بیگم صاحبہ کا کہنا بھی صحیح ہے۔ دنیا اس رشتہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ اس میں زہرہ کی بہت توہین ہے۔" شاہد نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ پھر اس سلسلہ میں اضافہ کیا۔ "اور آپ لوگ ایسی بے جوڑ نسبتوں کا خیال ہی کیوں کرتے ہیں۔ خدا رکھے زہرہ کو ایک سے ایک اچھا بر مل سکتا ہے اسے۔"

منصور اس طرح خاموش ہو گئے تھے جیسے وہ بولنا ہی بھول گئے ہوں۔ شاہد و فدیہ کے ہم آواز ہو جانے انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ

جس شاخ پر چمن میں بنایا تھا آشیاں
بجلی گری اسی کا سہارا لئے ہوئے

شاہد محسن کے باپ تھے وہی جب بیٹے کی ضمانت نہ کر سکے تھے تو منصور کس کی تائید حاصل کرتے۔ ان کا دل و دماغ اونچ نیچ کے اس اصول کو ماننے پر تیار نہ تھا لیکن الفاظ کے پاس لحاظ نے ان کی زبان بند کر دی اور پھر وہ فدیہ و شاہد سے کچھ نہ کہہ سکے۔

شاہد چند منٹ بعد اجازت لیکر چلے گئے اور منصور سر جھکائے سوچتے رہے۔ انہوں نے زہرہ کے مستقبل کیلئے برسوں سے جو خیالی قلعہ تعمیر کیا تھا وہ چشم زدن میں منہدم ہو گیا

تھا اور اس سے ان کو یکایک ایسا دھچکہ پہنچا تھا کہ وہ بات کرنے کے قابل نہ تھے۔
قدسیہ نے دیر تک ان کے استغراق میں مداخلت نہ کی۔ وہ بھی انھیں کی طرح غور و فکر میں ڈوبی رہی۔ پھر اس نے مکدّر ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی اور کہنے لگی۔
"کس سوچ میں پڑے ہیں آپ؟"
"تمہارے نزدیک یہ کوئی سوچنے کی بات نہیں ہے۔" منصور جھلائے ہوئے لہجے میں کہنے لگے اور قدسیہ مسکرا کر بولی۔
"آپ کو اپنی رائے غلط نکلنے کا اتنا صدمہ ہے —— یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"
"رائے کے غلط یا صحیح ہونے میں کیا رکھا ہے۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ تم لوگ بہک گئے ہو یا میرے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔" منصور نے اپنے احساسات کی ترجمانی کی اور ایک سرد آہ بھر کر سر جھکا لیا۔
"کیا اب بھی آپ اپنے ارادے پر قائم ہیں؟" قدسیہ نے ایک خدشہ میں دریافت کیا اور منصور نے مایوسانہ انداز میں جواب دیا۔
"ارادے پر قائم رہنے کی کیا گنجائش ہے، لیکن مجھے دکھ ضرور ہے کہ ایک غلط بات تسلیم کرنا پڑی۔"
قدسیہ ایک اطمینان کی سانس لیکر خاموش ہو گئی اور منصور نے پھر متفکر ہو کر سر جھکا لیا۔
اس تفکر نے اس رات کے بعد بھی منصور کا ساتھ نہ چھوڑا اور وہ دل ہی دل میں سماج کی تنگ نظری پر بیزاری کا اظہار کرتے رہے

"صاحب ناشتے کے لیے یاد کر رہے ہیں۔" خادمہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور زہرہ سلمیٰ کی طرف دیکھنے لگی جو ایک طرح کا خاموش استفسار تھا۔ حمید اپنی جگہ سے اٹھ [illegible] ہی ہونے والا تھا کہ سلمیٰ نے کہہ دیا۔

"یہیں منگوالو ناشتہ، اس وقت کون جائے وہاں۔"

زہرہ نے خادمہ کو اسی کے مطابق ہدایت کر دی اور خادمہ نے ایک بڑی میز بیچ میں لا دی۔ پھر کشتی میں سامان لاکر اس پر لگانے لگی۔

سلمیٰ کبھی میز کی طرف، کبھی دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی اور زہرہ و حمید باتوں میں مشغول تھے کہ سلمیٰ سے رہا نہ گیا اور وہ زہرہ کی طرف رخ کر کے کہنے لگی۔

"محسن نہیں آئے اب تک۔"

"آنا تو چاہیئے۔" زہرہ نے کہا اور حمید کی طرف متوجہ ہو گئی جو کہہ رہا تھا

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم لوگ محسن کو اتنی اہمیت کیوں دیتی ہو۔"

"کیوں، کیا کوئی خرابی ہے اس میں؟" زہرہ نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔ اور حمید نے کہا۔

"خرابی ہو یا نہ ہو، مگر وہ ہمارے رینک کا آدمی نہیں ہے۔"

"تم بڑی پست ذہنیت کے انسان ہو حمید، تمہاری ایسی ہی باتیں مجھے پسند نہیں آتیں۔" سلمیٰ نے منہ بناتے ہوئے حمید کو تنبیہہ کی۔ اور حمید چڑھ کر کہنے لگا۔

"تمہاری جیسی بلند خیالی میں کہاں سے لاؤں کہ ہر کس و ناکس کو برابر کا سمجھنے لگوں۔"

"مگر محسن تو ہر کس و ناکس کی تعریف میں نہیں آتا!" زہرہ نے حمید کو ٹوک دیا۔ اور حمید بولا۔

"پھر کیا اس کا شمار خواص میں ہے۔ تمہارے گھر کے ایک معمولی تنخواہ دار ہی کا تو لڑکا ہے وہ۔"

"تو اس سے اُس کی ذاتی منزلت اور عزتِ نفسی میں کیا فرق آتا ہے" زہرہ نے استدلال کیا اور حمید نے کہا۔

"فرق ایسا ہے کہ تم لوگ اس کو قریب رکھنے کی کوشش کرتی ہو اور وہ بھاگا بھاگا پھرتا ہے ـــــ اس کا احساسِ کمتری اس کو ہم سے زیادہ خلا ملا کی اجازت ہی نہیں دیتا۔"

زہرہ اس تبصرے پر ایک لحظہ کے لئے خاموش ہوگئی۔ کیونکہ ادھر کئی روز سے واقعی محسن بہت کم اُس کے پاس اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ لیکن اس کی وہ توجیہہ زہرہ کی سمجھ میں نہ آسکی جو حمید کر رہا تھا۔ اس لئے وہ کہنے لگی۔

"یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ کیونکہ وہ تم لوگوں کے آنے سے قبل بھی اسی طرح آتا جاتا تھا۔"

زہرہ نے محسن کی صفائی میں ایک غلط بات کہہ دی اور کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

"میں ابھی لے کر آتی ہوں اس کو، اُلجھ گیا ہوگا کسی کام میں۔"

"یعنی اب تم اس کو لینے کے لئے جاؤ گی۔" حمید نے انتہائی استعجاب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ مگر زہرہ نے اس کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی۔ اور کمرے سے نکل کر چلی گئی۔

محسن ایک فرمانبردار بیٹے کا کردار ادا کر رہا تھا۔ کلکتہ کے مہمانوں کے آنے کے بعد سے وہ صرف تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے زہرہ کے پاس جاکر بیٹھا تھا۔ پچھلی رات زہرہ نے بُلا بھیجا تھا تو چلا گیا تھا لیکن فوراً ہی واپس ہوگیا تھا ـــ اس وقت اپنے کمرے میں ناشتہ کرتے ہوئے منصور کا آراستہ ڈرائنگ روم اس کے پیشِ نظر تھا اور زہرہ اس کو اپنی منتظر دکھائی دے رہی تھی۔ مگر باپ کے الفاظ کو اُس نے فراموش نہ کیا اور چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی۔

اس نے پہلا گھونٹ حلق سے اُتارا ہی تھا کہ زہرہ کی آواز کان میں پڑی جو کہہ رہی تھی

"ارے تم یہاں ناشتہ کر رہے ہو۔ وہاں سب تمہارے منتظر ہیں۔"

محسن اُس کی آواز پر سن سے رہ گیا۔ کیسے کہہ دیتا کہ۔

"میں باپ کے حکم سے مجبور ہوں ——"

زہرہ اس کے قریب پہنچ گئی اور کہنے لگی۔

"اُٹھو، چلو جلدی سے۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے وہاں۔"

محسن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور زہرہ کے قدم بقدم چلنے لگا —— کمرے سے نکل کر زہرہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہہ گذری۔

"ادھر تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہو اور دیکھنے والوں کو تمہارا مذاق اُڑانے کا موقع ملتا ہے۔"

محسن کو جواب دینے کے لئے الفاظ نہ مل سکے وہ ایک نگاہِ مجبور سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا اور زہرہ نے سوال کر دیا۔

"کیوں کیا بات ہے آخر، منع کیا ہے کسی نے۔"

"منع کون کرتا؟" محسن نے رک رک کر جواب دیا اور اس کو ٹالنے کے لئے کہہ دیا میں نے کہا کہ جن لوگوں سے بے تکلفی نہیں ہے اپنی ذات سے ان کی دلچسپی میں کیوں خلل ڈالوں یا"

"تو میں کب اُن سے بے تکلف ہوں!" زہرہ نے کہا اور سلمیٰ نے مداخلت کی۔ "یہ غلطی ہماری ہے کہ ہم آپ کی طرف زیادہ نہیں بڑھے۔ اب اس کی تلافی کر دیں گے۔"

سلمیٰ، زہرہ کے اُٹھتے ہی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور جمیلہ کے روکنے کے باوجود یہ کہتی ہوئی چل دی تھی

"ذرا دیکھوں تو کیسا ہے محسن کا کمرہ۔"

"میں کہتا ہوں کہ کیا ستم ہے باپ کے پر لگے ہیں اس میں جو تم لوگ اس قدر ...

ہو رہی ہو۔" حمید بلند آواز سے بولا تھا۔ مگر سلمیٰ اس کے الفاظ پر توجہ دیئے بغیر روانہ ہو گئی تھی اور تیز تیز قدم جا رہی تھی کہ زہرہ و محسن آتے ہوئے مل گئے۔ اس نے زہرہ کا کہنا سُن لیا اور انداز سے سمجھ لیا کہ محسن کی کس بات کے جواب میں زہرہ نے یہ کہا ہو گا۔ محسن کی مخاطب الیہ زہرہ تھی۔ لیکن سلمیٰ نے اس کا جواب دیدیا۔ محسن کے نزدیک پہنچ کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا اور کہنے لگی۔

"آج کے بعد ہمارا شمار دو بے تکلف دوستوں میں ہو گا۔"

سلمیٰ بنگالی حسن کا ایک شاہکار تھی۔ نک سک سے درست اور تناسب جسمانی کے اعتبار سے سانچہ میں ڈھلی ہوئی۔ وہ بیشتر انگریزی کپڑے پہنتی تھی جس سے اس کے نکھار میں کافی اضافہ ہو جاتا اور وہ جس طرف گذر جاتی تماشائیوں کی نگاہ کا مرکز ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ کافی بنی سنوری تھی اور زہرہ کی صباحت افروز جوانی پر طنز کر رہی تھی۔

محسن لکھنوی تہذیب اور مشرقی معاشرہ کا ایک سیدھا سادا نوجوان تھا۔ سلمیٰ کی بیباک دستی پر وہ پسینے پسینے ہو گیا۔

سلمیٰ نے پچھلے دو تین دنوں میں اس پر کافی حجابانی اثرات قائم کئے تھے اور محسن نے نیت کو ڈانواڈول کئے بغیر اعتراف کیا تھا کہ زہرہ کی نوجوان جہان اس سے کم خوبصورت نہیں ہے۔ مگر اس وقت اس کی عجیب حالت ہو گئی۔ پاؤں من من بھر کے ہو گئے اور کسی طرف نگاہ اٹھانے کی ہمت باقی نہ رہی۔ زہرہ کو سلمیٰ کی یہ جسارت نہ جانے کیوں بری لگ رہی تھی۔ اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے محسن کے بارے میں کسی عورت کو اس کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ لیکن زبان سے بھی کچھ کہنے کا محل نہ تھا۔ اس لئے وہ بول نہ سکی۔ آخر محسن نے خود قدرے ہمت سے کام لیا۔ آہستہ سے اپنا ہاتھ سلمیٰ کے ہاتھ سے الگ کیا اور دھیرے دھیرے اس کے دوش بدوش قدم اٹھانے لگا

محسن بھرپور جوانی کے دور سے گزر رہا تھا۔ اس دور سے جس میں عشق سے زیادہ عشق کی رسوائی کی تمنا ہوتی ہے اور دل ہر وقت حسن اور حسن کے جلوؤں کا متلاشی رہتا ہے سلمیٰ ایسی ماہ پارہ کے ہاتھ کا لمس ایسا نہ تھا جو اس کی رگوں میں تموّج کی کیفیت پیدا نہ کر دیتا۔ محسن آن کی آن کے لئے جذبات کے دھارے پر بہنے لگا اور اس کی نظر بلا ارادہ سلمیٰ کی طرف اُٹھ گئی۔

نسائیت کا حسن، شباب کی معراج پر مسکرا رہا تھا۔ تناسب جسمانی کا نکھار دلوں کو بیتاب کر دینے کی ضمانت بن گیا تھا۔ محسن کی مردانہ نگاہ جم کر رہ گئی لیکن فوراً ہی خود بخود چونک پڑا اور گھوم کر زہرہ کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھیں شور دریا کے بجائے سمندر کے سکوت کا منظر پیش کر رہی تھیں اور جس کے چہرے کی سادگی پر بہاروں کا تبسم نچھاور تھا۔

محسن کو محسوس ہوا کہ وہ ہوا کے کسی تیز و تند جھکوڑے میں بہتے بہتے رک گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی وحشت اور چہرے کی بڑھتی ہوئی سُرخی یکایک اعتدال پر آگئی اور اس تغیر پر سلمیٰ کی منہ سے ایک لمبی سانس نکل گئی۔

حمیدان دونوں کے چلے آنے پر غصہ میں ٹہلنے لگا تھا۔ محسن جب کمرے میں داخل ہوا تو اس نے حقارت کی ایک نگاہ اس پر ڈالی جس کو محسن نے نظرانداز کر دیا اور زہرہ نے محسن کو ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بٹھا دیا۔

دلوں میں متضاد جذبات اور دماغوں میں مختلف قسم کے خیالات پیدا ہو رہے تھے پھر بھی ناشتہ مصنوعی خوش مزاجی سے شروع ہوا اور محسن بھی شائستگی کے ساتھ اس میں حصہ لینے لگا۔

حمید کن انکھیوں سے محسن کی طرف دیکھے جا رہا تھا اور محسن اس کے تاثرات کو سمجھتے ہوئے بڑے مطمئن انداز میں چمچے اور پلیٹ سے شغل کر رہا تھا۔

حمید نے کئی مرتبہ اس سے مخاطب ہو کر کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر زہرہ و سلمیٰ کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ آخر ایک بار اس سے نہ رہا گیا اور اس نے محسن کو ٹوک ہی دیا۔

"دینا ہے نا، چائے بنالیجیے مسٹر محسن۔"

محسن نے ہاتھ کیتلی کی طرف بڑھا دیا۔ لیکن سلمیٰ نے بہ تعجیل اس کو روک دیا اور تعرش لہجہ میں بولی۔

"نہیں، آپ تکلیف نہ کیجیے مسٹر محسن۔ میں بناتی ہوں —— آپ یہ پیسٹری کھائیے، دیکھیے کس قدر لذیذ ہے۔"

"نہیں، میں کچھ کھاؤں گا نہیں، ناشتہ تو کرکے آیا ہوں ابھی۔" محسن نے عذر کیا اور سلمیٰ نے اصرار کیا۔

"کھا لیجیے بھی ہلکے پھلکے ناشتہ سے پیٹ میں کچھ گرانی تو نہ ہو جائے گی۔"

"کیوں کفرانِ نعمت کر رہے ہو مسٹر۔ غنیمت سمجھو اس کو ——" حمید نے مداخلت کی اور محسن کے لئے جواب دینا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ وہ سلمیٰ کی عنایت کی نعمت سے انکار کرتا تو سلمیٰ کی توہین ہوتی جو اس کو منظور نہ تھی اور حمید کے کہنے کو تسلیم کرتا تھا تو حمید اس کو ندیدہ ثابت کر رہا تھا جس کی برداشت اس میں نہ تھی۔ آخر سلمیٰ ہی نے اس کشمکش سے نجات دلائی اور اس کو خاموش پاکر کہنے لگی۔

"آپ یہ بسکٹ تو لیں گے۔ لیجیے میں زہرہ کے ہاتھ سے دلوائے دیتی ہوں۔"

زہرہ اس لطیف طنز پر جھینپنے لگی اور محسن بول اٹھا۔

"کیوں، زہرہ کے ہاتھ میں کیا خصوصیت ہے۔ ایسا کوئی خیال ہے تو لائیے آپ ہی کو غنیمت سمجھ لوں۔"

آخری الفاظ اس کی زبان سے رو ہی میں نکل گئے اور حمید ٹھٹھا مار کر ہنس پڑا۔

"اب آگئے ہیں راستے پر آپ ۔۔"

محسن کو محسوس بھی نہ ہوتا کہ وہ کیا کہہ گیا لیکن حمید کے مذاق آمیز انداز پر وہ شرمندہ سا ہوگیا اور ہکلا کر کہنے لگا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ ۔۔۔"

"بات ہوگئی اب صفائی دینے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے اس کا جملہ کاٹ دیا اور زہرہ نے موضوع کو بدلنے کے لئے سلمیٰ کو مخاطب کر لیا۔

"چائے بناؤ سلمیٰ۔ بیٹھی کیا کر رہی ہو۔"

سلمیٰ کی رگوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا تھی اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے محسن نے سچ مچ اپنے دل کی بات کہہ دی ہو یا نادانستگی میں اس کی زبان سے مستقبل کی پیشین گوئی ہوگئی ہو ۔۔۔ وہ محسن سے کہنا چاہتی تھی۔

"ہاں ذرا پھر تو کہنا کیا کہا تم نے ۔۔۔ میں تمہارے الفاظ کی وضاحت چاہتی ہوں۔"

زہرہ کے ٹوکنے پر وہ چونک سی پڑی اور اپنی کیفیت کو چھپانے کے لئے ٹی کوزی اتار کر چائے کی کیتلی میں نصف چمچہ شکر ڈالنے لگی۔

حمید سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھنا چاہتا تھا مگر زہرہ نے اس کا موقع نہ دیا اور محسن سے کہنے لگی۔

"آج رات نواب حضور والی دعوت ہے۔ مجھے بھی کچھ وقت ضرور صرف کرنا پڑے گا"

"کرنا بھی چاہیئے۔" محسن نے کہا اور سلمیٰ کی طرف متوجہ ہوگیا جو ایک چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔

حمید کو سلمیٰ کا یہ انداز ایک نظر نہ بھایا کہ اس نے محسن کو اس پر ترجیح دی اور سب سے

پہلے چائے اسی کو پیش کی۔ مگر وہ بول نہ سکا اور محسن نے ہاتھ بڑھا دیا۔

اس نے ارادتاً سلمیٰ کی آنکھوں میں نہ جھانکا تھا لیکن نگاہ خود بخود اس کی نظروں سے مل گئی اور سلمیٰ کا ہاتھ کانپ گیا۔ محسن فوراً پیالی کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیتا تو وہ گر پڑتی اور سلمیٰ کو خفت اٹھانا پڑتی ــــ جس کا احساس سلمیٰ نے کیا اور ایک انداز تشکر سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

دوسری پیالی اس نے زہرہ کو دی اور سب کے آخر میں حمید کا نمبر آیا جس پر وہ تلملا سا گیا۔ مگر کچھ کہنے والی بات نہ تھی۔ لہٰذا چائے کے گھونٹوں سے پہلے صبر کے تلخ گھونٹ پی کر رہ گیا اور سلمیٰ اس کی حالت پر زیر لب مسکراتی رہی۔

ناشتہ ختم ہونے پر بھی کم و بیش ایک گھنٹہ نشست کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصہ میں حمید نے چلے پھپھولے پھوڑنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کو کچھ بن نہ پڑا کیونکہ زہرہ و سلمیٰ دونوں محسن کی طرفدار تھیں۔ کوئی اس کی ہمنوائی کرنے والا نہ تھا۔ اس کے جو بات بھی خالی گئی۔ اکثر و بیشتر سلمیٰ نے ہی اس کی کاٹ کر دی اور اس کو محسن کی طرفداری کے نتیجہ میں چچیری بہن سے ایک تکدر پیدا ہو گیا۔

محسن جب کافی دیر بعد وہاں سے اٹھا تو حمید اس سے کافی دور ہو چکا تھا۔ سلمیٰ اتنی ہی قریب پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ اس کی نظر میں وہ ایک تمثیلی لڑکی قرار پائی تھی اور وہ اس کو قابلِ قدر سمجھتا تھا۔

"میں کہتی ہوں کہ یہ آپ اکیلے بیٹھے کیا کرتے ہیں؟" سلمیٰ نے محسن کے کمرے کے دروازے پر ٹھہرتے ہوئے کہا اور محسن کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھ گیا۔

سلمیٰ کو خلاف توقع موجود پا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور انکسارانہ انداز میں ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"تشریف لائیے۔"

سلمیٰ کسی ناگن کی طرح لہراتی، بل کھاتی دروازے میں داخل ہو گئی اور پھر اس نے وہی سوال کر دیا جو اس سے قبل کر چکی تھی۔

"جی نہیں گھبراتا آپ اکیلے ہے؟"

"گھبرائے بھی تو کہاں جاؤں۔ بلا وجہ ادھر اُدھر گھومنے کا میں قائل نہیں۔" محسن نے شائستگی کے ساتھ بتایا اور سلمیٰ ایک دلربایانہ ادا سے بولی۔

"آج کل تو ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میں کسی وقت بھی آپ کو اپنے لئے چشم براہ مل سکتی ہوں۔"

"شکریہ اس عنایت کا۔" محسن نے اخلاقاً کہا۔ اور سلمیٰ پوچھنے لگی۔

"کیا کر رہے تھے اس وقت؟"

"یونہی بیٹھا ہوا تھا۔" محسن نے ایک اصولی جواب دیدیا اور میاک لڑکی نے بے تکلفی کے لہجہ میں کہا

"سوچ رہے تھے کسی کے بارے میں کچھ؟"

"سوچنا کس کی بابت؟" محسن نے دل کا چور چھپانے کے لئے چونکتے ہوئے انکار کیا اور چالاک سلمیٰ اطمینانی انداز میں نظریں اس پر گڑوئے رہی پھر کہنے لگی۔

"آپ کو معلوم ہے کہ انسان کا دماغ خالی نہیں رہتا کسی وقت بھی۔ کوئی نہ کوئی خیال موجود ضرور رہتا ہے۔"

"یہ صحیح ہے پھر بھی کوئی خاص غور و فکر ہو تو اس کا ذکر کیا جائے۔" محسن نے صفائی میں کہا اور سلمیٰ اسی طرح مسکراتی رہی

اس نے محسن کو ٹٹولنے کے لئے ایک چلتی ہوئی بات کہہ دی تھی کہ شاید وہ زہرہ سے متعلق کوئی انکشاف کر دے۔ حالانکہ اس کا دل یہی چاہتا تھا کہ محسن زہرہ کا نام نہ لے بلکہ زہرہ کی جانب اس کے میلان کی بابت جو کچھ سلمیٰ کو معلوم ہے وہ بھی بھول میں پڑ جائے

——— مگر عجیب کارخانے ہوتے ہیں محبت کے بھی۔ وہ کبھی ایک حقیقت کو جھٹلانے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور کبھی اس کی تصدیق میں کوشاں ہوتی ہے۔

سلمیٰ اور حمید دونوں کو چار باغ اسٹیشن پر اترنے کے لمحات سے محسن و زہرہ کی روش سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اس کے بعد روزانہ کی نشست و برخاست نے قیاس کو یقین کا درجہ دیدیا تھا۔ اور پھر سلمیٰ تو ایک عورت کی نگاہ سے ان کو دیکھتی رہی تھی۔ اس کو کوئی شک و شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ یہ محبت اپنے قدم مضبوط کر چکی ہے۔ پھر بھی اس کو ایک تجسس تھا اور وہ ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ کرید کرید پوچھ لینے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

دوشیزگی کی لاج اور نسائیت کی شرم ہونٹوں کو سیئے نہ ہوتی اور زہرہ اس کو کوئی اثباتی جواب دے دیتی تو سلمیٰ کو بہت دکھ ہوتا یا محسن اتنا مایوس اور دل شکستہ نہ ہوتا اور اس وقت اس کی زبان سے نکل جاتا۔

"کیا پوچھتی ہو۔ کیا سوچ رہا تھا میں

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

محسن کا یہ جواب اس پر بجلی ٹوٹ پڑنے کے ہم معنی ہوتا اور بہت ممکن تھا کہ اس کی تاب ضبط جواب دے جاتی اور وہ پچھتاتی کہ اس نے ناحق ڈھکی چھپی بات کو سامنے لاکر اپنی تکلیف کا مواد فراہم کیا۔ لیکن محسن نے بات کو چھپا ڈالا تو وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

"من خوب می شناسم پیران پارسا را ———"

محسن اس کے مافی الضمیر سے بے خبر تھا۔ اس نے اس کو چپ دیکھ کر کہا۔

"اس وقت کیسے نکل آئیں۔ حمید کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گے۔" سلمیٰ نے بے خیالی میں بتایا اور دروازے کی طرف

ایک آواز سنائی دی ۔

"کمرے میں نہیں ہوں میں ۔ یہاں موجود ہوں ۔"

حمید سامنے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا ۔

"تم سب اکدم غائب ہو جاتی ہو ۔ زہرہ اندر چلی گئیں اور تم ادھر آگئیں ۔ میں کیا دیواروں سے باتیں کروں ۔"

"آجائیے آپ بھی نا ـــــ" محسن اس کے خیر مقدم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور حمید ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا ۔

حمید نے ایک سرسری نظر محسن پر ڈالی پھر سلمیٰ کو دیکھتا رہ گیا ۔ سلمیٰ اس کی نگاہ کی تاب نہ لا رہی تھی ۔

"تم مجھے اس انداز سے نہ دیکھا کرو حمید ۔"

بے حیا حمید نے ایسی جھڑکیوں کا کبھی کوئی اثر نہ لیا تھا اور ہر مرتبہ جواب دیدیا تھا

"مجھے کچھ بھی کہو ۔ میں اس کے لئے مجبور ہوں ۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ

"تمہاری محبت میری رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے ۔ میں تم کو کسی دوسری نظر سے دیکھنے پر قادر نہیں ہوں ۔"

سلمیٰ کا اس کا کوئی اثر ہوتا نہ تھا ۔ وہ اس کے چھچھورے پن اور کم ظرفی سے واقف تھی ۔ ایسی باتوں پر اور زیادہ برہم ہو جاتی اور حمید کسی سخت بات پر اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ـــــ اس وقت بھی ایسی ہی کوئی ناخوشگوار بات وقوع میں ضرور آتی ۔ مگر محسن کی موجودگی نے سلمیٰ کو بولنے نہ دیا ۔ وہ اس کو ایک خاموش تہدید کر کے رہ گئی ۔ اور حمید کہنے لگا ۔

"یہ سب بد رات کی دعوت کی تیاریاں ہیں ۔"

"کیسی تیاریاں میں سمجھی نہیں ـــــ" سلمیٰ چیں بجبیں ہو کر بولی اور حمید نے کوئی

اثر لئے بغیر کہہ دیا۔

"یہی جو اس وقت زرق برق بنی ہوئی ہو۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ——— تم نے مجھ کو کبھی چکٹی جو ہا بھی دیکھا ہے؟"

سلمیٰ نے بگڑتے ہوئے کہا اور حمید مرعوب ہو کر خوشامد پر اُتر آیا۔

"خفا کیوں ہوتی ہو۔ میں نے یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔"

"آپ لوگوں کی رائے ہو تو کرسیاں باہر نکال کر بیٹھا جائے۔" محسن نے خواہ مخواہ پیدا ہونے والے تکدّر کو دور کرنے کے لئے تجویز کر دیا اور سلمیٰ اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"چلئے۔ چمن میں ٹہلیں پہل کر۔"

انوار کی بھتیجی نے ایک طرح اُن کے بیٹے کو نظر انداز کر دیا۔ مگر محسن کو فرائض میزبانی کے احساس میں اس کا استخراج کرنا پڑا۔ اور وہ حمید سے پوچھنے لگا۔

"چلئے گا نا ———؟"

"کیوں نہیں ———" حمید اُٹھ کھڑا ہوا اور محسن اُس کے اور سلمیٰ کے عقب میں کمرے سے باہر آ گیا۔

اس کا خیال تھا کہ حمید اس تلخ گفتگو سے متاثر ہو گا۔ لیکن اس کے تحیّر کا کوئی ٹھکانا نہ رہا جب چمن میں پہنچتے ہی وہ قدم قدم پر سلمیٰ کو متوجہ کرنے لگا اور سلمیٰ کی بے توجہی کے باوجود باز نہ آیا۔

سلمیٰ محسن سے جمالیات کے موضوع پر بات چیت کر رہی تھی اور حُسنِ فطرت پہ روشنی ڈال رہی تھی۔ باتیں کرتے کرتے اس نے سرخ گلاب کا ایک پھول توڑ لیا اور محسن کو روک کر اُس کے کوٹ کے کالر میں لگانے میں لگی ——— محسن نہیں نہیں کرتا رہا اور آخر اس کو کہنا ہی پڑا۔

"یہ پھول کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو مگر مجھ کو خوبصورت نہیں بنا سکتا۔"

"آپ یونہی خوبصورت ہیں۔ آپ کو کسی زیبائش کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

حمید آئی پر نہ چوکا اور اس نے ایک فقرہ چست کر دیا۔

محسن نے آج تک اُس کا کسی بات کا جواب نہ دیا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کے مقابلہ میں احساسِ کمتری محسوس کرتا تھا بلکہ اس لئے کہ منصور کے مہمان کا لحاظ کرنا اس کا فرض تھا۔ اور وہ اپنے محسن اور اپنے باپ کے مالک کو کسی شکایت کا موقع دینا نہ چاہتا تھا لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ حمید کی مسلسل نشتر زنی اس کو مکدر کئے بغیر نہ رہی اور وہ اس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگا۔

"کیا صورت شکل کا تعلق بھی امیری اور غریبی سے ہوتا ہے اور آپ جیسے فرعون ہی اس کے اجارہ دار ہیں؟"

"میں غریب اس کا دعویٰ کب کرتا ہوں جو آپ مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں میں نے تو آپ کے بارے میں ایک بات کہی تھی۔" حمید نے تمسخر کیا اور محسن کو کچھ زیادہ غصہ آ گیا۔ مگر وہ بول نہ سکا۔ سلمیٰ نے اس کی جگہ لے لی اور ناگواری کے لہجے میں حمید سے کہنے لگی۔

"میں دیکھتی ہوں کہ تم مسلسل محسن کے پیچھے پڑے ہو اور ان کو ذلیل کرتے ہو۔"

"اس میں ذلت کی کیا بات ہے؟" حمید نے دیدہ دلیری سے کہا اور اسی سلسلہ میں بولا۔ "میں نے تو ایک حقیقت کا اظہار کیا تھا۔ کیا وہ خوبصورت نہیں ہیں؟"

"بے شک ہیں، اور تم ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہو۔" سلمیٰ جل کر صاف گوئی پر اتر آئی اور حمید بھنا گیا ۔۔۔ اس کو سلمیٰ کی زبان سے محسن کی تعریف

پر اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ سلمیٰ سے اپنی اُمیدیں منقطع کر کے اُس نے زہرہ سے وابستہ کر لی تھیں۔ لیکن نہ جانے کیوں محسن کی ذات سے اس کو ایک پرخاش ہو گئی اور وہ اس سے متعلق کوئی اچھی بات سننا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے کہنے لگا۔

"میں تم سے اس حد تک تو اتفاق کر لوں گا کہ محسن مجھ سے اچھے ہیں مگر یہ صریحاً غلط ہے کہ ان کا شمار اچھی صورت والوں میں ہے۔"

"یہ اکیلے اکیلے چہل قدمی ہو رہی ہے۔" دور سے زہرہ کی آواز آئی جو محلسرا سے چلی آ رہی تھی اور ان سب کو چمن میں دیکھ کر اس طرف کو مڑ گئی تھی۔ سلمیٰ نے اس کی آواز سنتے ہی کہہ دیا۔

"تم مجھ کو جھٹلانے پر آمادہ ہو تو میں زہرہ سے اس کی تصدیق کرائے دیتی ہوں"

"چھوڑیئے بھی اس بحث کو۔ کیوں مجھے تختۂ مشق بنوا رہی ہیں آپ۔؟"

محسن نے مداخلت کی جس کی مخاطب الیہ سلمیٰ تھی۔ مگر سلمیٰ اس کا جواب نہ دے سکی اس کے بجائے حمید محسن کی طرف متوجہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

"اچھا مسٹر محسن، آپ کا خود اپنے متعلق کیا خیال ہے۔؟"

محسن سمجھتا تھا کہ حمید اس کا مذاق اُڑا رہا ہے اور بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم اُس نے تحمّل کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور متانت کے ساتھ کہنے لگا۔

"یہ موضوع ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ مجھ کو بھلا صورت شکل سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے"

"جی ہاں، مدعی سست گواہ چست — ان سلمیٰ بی سے کہیئے جو مفت میں اکڑ رہی ہیں۔" حمید نے کسی قدر بلند آواز سے کہا اور نزدیک پہنچتی ہوئی زہرہ نے سوال کر دیا۔

"کیا بحث چھڑی ہوئی ہے سلمیٰ۔؟"

"امتحان ہو رہا ہے ذوقِ نگاہ کا ــــ "سلمیٰ شاعرانہ انداز میں بولی
اور حمید نے نفسیاتی تجربہ سے کام لے کر کہہ دیا۔
"کہتی ہیں کہ محسن سے زیادہ خوبصورت مرد پیدا ہی نہیں ہوا۔"
زہرہ پر اِس جملے نے وہی اثر کیا جس کی توقع حمید کو تھی۔ عورت کی رقابت کے جذبے نے اس کا دماغ جھنجھنا دیا اور سلمیٰ کی صورت سے اس کو ایک نفرت سی ہونے لگی۔ پھر بھی جو کچھ کہا گیا تھا وہ گویا خود اس کے خیال کا اظہار تھا اور محسن کی برتری پہ دلالت کرتا تھا۔ لہٰذا وہ برجستہ کہہ گذری۔
"تو کیا غلط کہتی ہیں سلمیٰ۔"
حمید کا رنگ اُڑ گیا اور سلمیٰ ایک قہقہہ لگا کر بولی۔
"اور بلاؤں کسی کو ــــ آنکھوں میں خاک جھونک دینا چاہتے ہیں آپ۔"
حمید کا جی چاہا کہ سلمیٰ کا منھ نوچ لے۔ لیکن اس کو کچھ ایسی شکست ہوئی تھی پھر وہ نگاہ ہی اٹھا نہ سکا اور محسن اس کی خفت کم کرنے کے لئے بول اٹھا۔
"یہ دونوں صرف آپ کی ضد میں ایسا کہہ رہی ہیں۔ آپ محسوس نہ کیجیئے گا۔"
حمید کوئی جواب نہ دے سکا اور زہرہ اس سے کہنے لگی۔
"چلئے حمید صاحب، چائے پی لیجئے چل کر۔ ابّا حضور منتظر ہوں گے۔ انھوں نے مجھ سے کہلوایا تھا کہ سب کو لے کر پہنچ جاؤں۔"
حمید نے بلا کسی دقت قدم اٹھا دئے اور سب لوگ خاموشی کے ساتھ آگے پیچھے چلنے لگے۔

چائے پر منصور و انوار دونوں موجود تھے۔ اس لئے ایسی کوئی بات نہ نکلی اور اس کے بعد سب باری باری رخصت ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔
اس واقعہ کی اہمیت اور کسی کی نگاہ میں ہو یا نہ ہو۔ لیکن حمید کو قرار نہ آرہا تھا

ذلت اس کو سلمیٰ اور زہرہ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ مگر مشتعل وہ محسن سے تھا اور اس سے بدلہ لینے کا عزم محکم کر رہا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ دل پر مرے پتھر مارا
چوم لیتا ہے جو سنگ درِ جاناں کوئی

ریاض، منصور کے کمرے سے چائے پی کر اپنے مقام پر پہنچی تو حمید کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"وہ کہتی ہیں کہ محسن سے خوبصورت مرد پیدا ہی نہیں ہوا۔"

زہرہ نے سلمیٰ کی تائید کر کے حمید کو محسن دشمنی کا جواب دے دیا تھا لیکن اس کے لئے ایک لمحۂ فکریہ پیدا ہو گیا تھا اور وہ سوچنے لگی تھی۔

"میں اگر ایسا کہتی تو حق بجانب تھا۔ کیونکہ میری نظر دل نے عورت کے زاویۂ نگاہ سے محسن کے علاوہ کسی کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ مگر سلمیٰ تو کلیوں اور تفریح گاہوں کی روح رواں ہے اور حمید سے اس کی نسبت بھی لگی ہوئی ہے۔ اس کو تو محسن کے بجائے خود حمید کے لئے ایسا تبصرہ کرنا چاہیئے تھا۔ نہ کہ وہ حمید کی مخالفت کر کے محسن کے حسنِ مردانہ کے گیت گاتی ہے!"

ایک اشتباہ بھولی زہرہ کے دل میں پیدا ہو کر لمحہ بہ لمحہ مضبوط ہوتا رہا اور وہ دل ہی دل میں کہنے لگی۔

"کہیں سلمیٰ بھی اس کے لئے اس مقام پر تو نہیں آ گئی ہے۔ جہاں سے میں

اُس کو دیکھتی ہوں ؟"

زہرہ وسوسوں میں گھر کر کلکتہ سے آنے والوں کے پہلے دن سے سلمیٰ کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگی۔ اور اس کے حافظہ نے اُس کو بتایا کہ بنگالی دوشیزہ کی نگاہ برابر ایک خاص انداز سے اس پر پڑتی رہی ہے اور اُس نے ہر موقع پر محسن کی جانبداری کی ہے

سلمیٰ کا حمید سے جو رشتہ تھا۔ زہرہ سے چھپا نہ تھا۔ اس کے ماسوا وہ بچپن سے اس وقت تک ساتھ ساتھ رہے تھے اور فطری طور پر اُن کے درمیان ایک یگانگت اور اپنائیت ہونا چاہیئے تھی جس کے برعکس محسن سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ اصولی حیثیت سے حمید غلط کہتا یا صحیح سلمیٰ کو اس کی ہمنوائی کرنا تھی لیکن زہرہ کا مشاہدہ اس کا گواہ تھا کہ سلمیٰ حمید کے ہر حملے میں محسن کی سپر بنی ہوئی تھی اور اس نے اپنے چچیرے بھائی، منگیتر اور بچپن کے رفیق کو اُس کی بدنفسی پر بار بار لتاڑا تھا۔ سلمیٰ درمیان میں نہ آتی رہتی تو خود زہرہ کو یہ مسئلہ طے کرنا پڑتا۔ وہ اخلاقاً اس لب و لہجہ میں تو حمید سے مخاطب نہ ہو سکتی جس کا مظاہرہ سلمیٰ نے کیا تھا۔ تاہم مہذب الفاظ میں اس کو ٹوکتی ضرور اور جس طرح بھی بن پڑتا، محسن کی ذلت نہ ہونے دیتی زہرہ کے لئے ایک مسرت کا محل تھا کہ محسن دوستی میں اس کو ایک مضبوط بازو مل گیا تھا۔ لیکن سلمیٰ جس جذبے میں محسن کی طرفداری کر رہی تھی وہ کسی طرح زہرہ کے لئے قابلِ برداشت نہ تھا۔

منصور کی بیٹی آہستہ آہستہ سلسلہ کی کڑیاں ملاتی رہی اور تصوّر میں اُس کو وہ منظر بھی دکھائی پڑ گیا جب سلمیٰ بہانے سے زہرہ کے پیچھے چل پڑی تھی اور راستے میں اس نے محسن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا ـــــ اس کے بعد کب اور کہاں اُس کی ملاقات ہوئی۔ وہ ملے بھی یا نہیں؟ اس کا کوئی علم زہرہ کو نہ تھا مگر اس کو شک ہونے

لگا کہ کہیں سلمیٰ خود محسن کے کمرے میں جا کر اُس کو رجھاتی تو نہیں رہی ہے "؟

چمن میں محسن کا سلمیٰ کے ساتھ پایا جانا بھی اس حقیقت پر روشنی ڈال رہا تھا کہ سلمیٰ خود جا کر اُس کو لائی ہو گی ـــــ محسن کے کوٹ میں لگا ہوا گلاب کا پھول کہہ رہا تھا کہ اس کو کسی نازک ہاتھ نے توڑ کر کشادہ سینے کے اوپری حصّے پر نصب کر دیا ہو گا کیونکہ خود محسن کی اُفتادِ طبیعت زہرہ کی جانی سمجھی تھی۔ وہ بدھو سادے مزاج کا نوجوان اس تصنّع کے چکر میں پھنسنے والا نہ تھا۔

محبّت کی چوٹ کھائی ہوئی دوشیزہ نے جس قدر غور کیا۔ اس کو سلمیٰ کی نیت میں فتور نظر آیا اور اچانک ایک سوال اُس کے ذہن میں پیدا ہو گیا۔

"دکہیں محسن نے اس لئے آنا جانا تو نہیں کم کر دیا ہے۔؟"

زہرہ کو یاد تھا کہ محسن کی آمد و رفت میں پہلے ہی کمی آ گئی تھی اور اس نے ایک موقع پر یہی کہہ کر تمسخر سے اس کی صفائی بھی کی تھی۔ لیکن اس وقت شبہات کے آئینہ میں اُس نے دیکھا تو محسن کی روش سلمیٰ کی تجلّیوں سے متاثر نظر آنے لگی اور اس کے منھ سے ایک آہ نکل گئی۔

اس نے صاف دھرمی طور پر آنکھ محسن کو اپنے سے ربط دے کر نہ دیکھا تھا لیکن خدشات پیدا ہونے پر محسوس کرنے لگی کہ محسن اُس سے الگ ہو گیا تو اس کی ذات میں رہ ہی کیا جائے گا اور شاید وہ بغیر اُس کے جی بھی نہ سکے گی۔

ایک فوری احساس اور اچانک فکر میں اس قدر اُداس اور پریشان ہو گئی۔ کہ آنسو نکل آئے اور وہ کوئی رائے قائم نہ کر سکی کہ اس کو کیا کرنا چاہیئے۔

اسی اُدھیڑ بن میں حمید نے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت لی اور زہرہ آنکھیں پونچھ کر چہرے پر شگفتگی پیدا کرنے لگی۔ تاکہ حمید اس کے اثرات کو سمجھ نہ سکے حمید خود چمن کے واقعے سے مضمحل تھا۔ اُس نے غور بھی نہ کیا کہ زہرہ کس حال میں ہے۔ دعا یک

کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔

"میں سمجھا تھا کہ تم محلسرا میں ہوگی۔"

"جی ہاں۔ جا ہی رہی ہوں۔ امی حضور نے کہا تھا کہ جلدی چلی آنا۔" زہرہ نے بجھے بجھے لہجہ میں جواب دیا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

حمید اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے موقع نہ دیا اور یہ کہتی ہوئی چل دی۔

"ابھی آتی ہوں۔ ذرا منھ ہاتھ دھو ڈالوں۔"

"کیوں — کیا خدا نخواستہ طبیعت خراب ہے کچھ؟" حمید نے کہا مگر زہرہ کوئی جواب دیئے بغیر چلی گئی۔ چند منٹ میں وہ پلٹی تو آتے ہی اس نے حمید سے کہدیا۔

"معاف کیجیئے گا حمید صاحب۔ مجھے اندر جانا ہے۔ دل چاہے تو آپ بھی چلیئے۔"

حمید کے جی میں آیا کہ موقع کو ہاتھ سے نہ دے اور اس کے ہمراہ زنان خانے میں پہنچ جائے لیکن اس کی ہمت نہ پڑی اور زہرہ چلی گئی۔

اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے سے نکلا اور سلمیٰ کے کمرے کی طرف چل پڑا — اس کو محسن کے ساتھ سلمیٰ سے بھی عداوت ہوگئی تھی۔ مگر اس کے سامنے وہ بول نہ پاتا تھا اس لئے غصہ کو تھوک کر اس کو شیشے میں اتار لینے کو پہنچ گیا اور سلمیٰ بھی اس کی مصلحت کو سمجھتے ہوئے مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگی۔

دونوں میں سے کسی نے تھوڑی دیر قبل کی تلخی کا حوالہ نہ دیا۔ اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گذر گیا۔

دعوت کا وقت ساڑھے آٹھ بجے کا تھا۔ زہرہ ماں کا ہاتھ بٹانے کو پہلے ہی سے موجود تھی۔ منصور و انوار سوا آٹھ بجے پہنچ گئے۔ سلمیٰ و حمید آٹھ پچیس پر جا کر پہنچے اور حمید نے محسن کو موجود نہ پا کر جاتے ہی اعتراض کر دیا۔

"محسن نہیں آئے انکل۔ عجب بے اُصول آدمی ہیں۔"
سلمیٰ کی تیوریاں چڑھ گئیں زُہرہ کے ابروؤں پہ بل پڑ گئے اور منصور کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھنے لگے۔ ابھی پانچ منٹ باقی تھے انہوں نے ایکبار پھر نگاہ ڈالی۔ اور بزرگانہ انداز میں کہنے لگے۔
"ابھی تو پانچ منٹ باقی ہیں اس پر بے اصولی کا اطلاق نہیں ہوتا۔"
حمید ایک ہی گربہ مسکین تھا اس نے فدویانہ طرز پر سر جھکا لیا اور منصور نے اپنی بات کے سلسلے میں اضافہ کر دیا۔
"یہ ہم لوگوں کی بدنیتی ہے جو ہم پہلے سے آ گئے ہیں ہمارا بیٹا ٹھیک وقت پر آئیگا"
شاید سامنے کھڑے تھے۔ منصور کے الفاظ پر وہ خوش ہو گئے اور منصور نے کہا بھی اسی لئے تھا ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن حمید کے بشرے سے ایک ناگواری جھلکنے لگی۔ اس نے خیال ہی خیال میں "بدنیتی" کو دہرایا اور وہی زبان سے منصور کی بات کی تردید کئے بغیر نہ رہا۔
"اصول تو یہی کہتا ہے۔ مگر اپنائیت کے یہ معنی نہیں ہیں۔ ایسی روش سے غیریت کی بو آتی ہے۔"
منصور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور زہرہ کو آواز دینے لگے۔
"زُہرہ — بیٹی زہرہ!"
زہرہ دوڑ کر آئی تو پوچھنے لگے۔
"کھانے میں کتنی دیر ہے۔"
"لگایا جا رہا تھا۔ آپ لوگ ٹھیک وقت پر کھانے کے کمرے میں پہنچ جائیے گا۔" زہرہ نے ادب سے جواب دیا اور ایک لحظے کے توقف سے اُلٹے قدم پلٹ پڑی۔

گھڑی کی چھوٹی سوئی آٹھ پر اور بڑی چھ پر پہنچی اور سب لوگ ڈائننگ ہال میں آ گئے تو سلمیٰ اور زہرہ کی نگاہیں محسن کو ڈھونڈتے لگیں جو اب تک نہ آیا تھا اُن کو اندیشہ تھا کہ بدباطن حمید کسی لمحہ بھی کوئی فقرہ چست کرے گا وہی ہوا کہ حمید کمرے میں قدم رکھتے ہی کہنے لگا۔

"اب تو ساڑھے آٹھ بھی بج گئے۔"

"اور محسن بھی آ گئے ــــ" سلمیٰ نے محسن کی طرف دیکھتے ہوئے حمید کی بات کا جواب دیا جو دروازے میں داخل ہو چکا تھا ــــ منصور اس پر نظر پڑتے ہی کہنے لگے۔

"دوسری بیٹھ جاؤ۔ زہرہ کے پاس ــ"

زہرہ و سلمیٰ برابر بچھی ہوئی دو کرسیوں پر بیٹھنے جا رہی تھیں۔ سلمیٰ نے اپنی کرسی خالی کر دی اور زہرہ، منصور کے حکم کی تعمیل میں اس پر بیٹھ گئی

سلمیٰ محسن کے بائیں جانب والی سیٹ لے چکی تھی۔ اس طرح محسن کے ایک طرف زہرہ اور دوسری طرف سلمیٰ بیٹھی ہوئی تھی اور وہ بجلیوں کے بیچ میں مسکرا رہا تھا۔ مگر حمید پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا کیونکہ وہ پہلے ہی زہرہ کے داہنی طرف کی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ اور اس پر ایک فخر کا احساس کر رہا تھا۔

بڑے بوڑھے مقابل کی لائن میں تھے جن میں شاہد بھی شامل تھے۔ صرف نذیبہ تنہا سائڈ کی ایک کرسی پر بیٹھی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ اس کو فرائضِ میزبانی بھی ادا کرنے تھے۔

کھانا پر تکلف اور مزیدار تھا۔ مزید انواع و اقسام سے بھری ہوئی تھیں۔ کوئی نہ کوئی چیز ہر شخص کے نام سے منسوب تھی جس میں محسن بھی شامل تھا۔

زہرہ نے تو مچھلی پلاؤ اپنے ہاتھ سے پکایا تھا جو اتفاق سے بہت زیادہ لذیذ

تھا ــــ قدسیہ نے جیسے ہی اس کا ذکر کیا۔ سلمیٰ نے ہاتھ بڑھا کر ڈش اٹھالی۔ اور چند چمچے پلیٹ میں لے کر کھانے لگی۔

پلاؤ حقیقتاً بہت خوش ذائقہ تھا۔ سلمیٰ تعریفوں کے پل باندھنے لگی اور حمید و محسن کے ہاتھ بیک وقت ڈش کی طرف بڑھ گئے۔

محسن، منصور کا تربیت یافتہ تھا اس نے اپنا ہاتھ فوراً کھینچ لیا اور حمید نے ایک بڑی مقدار میں پلاؤ نکال لیا۔ پھر اخلاقاً ڈش کو محسن کی طرف بڑھانے لگا۔

زاہرہ، حمید و محسن کے درمیان میں تھی۔ اس نے ڈش حمید سے لے کر محسن کو دینے کا ارادہ کیا مگر محسن نے اس سے قبل نصف قد سے اٹھ کر ہاتھ دراز کر دیا۔ اور حمید نے ڈش اس کی انگلیوں میں آنے سے قبل چھوڑ دی۔

حمید کا یہ فعل بالکل ارادی تھا۔ لہذا چھوڑنے کے ساتھ ہی وہ جھڑکنے کے انداز سے کہہ گذرا۔

"اتنی بے صبری کا ہے کی تھی، جس قدر جی چاہتا کھا لیتے۔"

محسن پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور منصور کی تیوریاں چڑھ گئیں ــ حمید کا انتقام پورا ہو چکا تھا اور وہ ناکردہ گناہگار بن گیا تھا۔ لیکن سلمیٰ حمید کی بھی استانی تھی۔ وہ فوراً نہایت برہمی کے ساتھ حمید سے مخاطب ہو گئی اور انتہائی درشت لہجے اور بلند آواز سے کہنے لگی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کتنے دیدہ دلیر ہو، حمید۔ ڈش خود چھوڑی اور الزام لگاتے ہو بیچارے محسن پر ــــ"

"ہاں، حمید صاحب، ہاتھ تو آپ ہی کا ہٹا تھا میں دیکھ رہی تھی۔" زہرہ نے شائستگی کے ساتھ سلمیٰ کی تائید کی اور حمید کے بچھائے ہوئے پھندے خود اسی کے گلے میں پڑ گئے۔

اس کے بجائے کوئی دوسرا ہوتا تو بد حواس ہو جاتا لیکن وہ سینکڑوں محفلوں کا نکالا ہوا تھا۔ جانے کیسی کیسی ذلتیں اٹھا چکا تھا۔ نہایت اطمینان سے کہنے لگا
"میں نے تو یہ سمجھ کے ڈش چھوڑ دی تھی کہ محسن نے اس کو پکڑ لیا ہوگا۔"
"خیر چھوڑو بھی اس بحث کو" منصور قصے کو رفع دفع کرنے کے لئے بولے پھر خانساماں کی طرف دیکھنے لگے جو میز صاف کرنے کے لئے بڑھ کر آگیا تھا۔
زہرہ وحمید کے کپڑے کچھ خراب ہو گئے تھے۔ جن کو انہوں نے اٹھ کر جھاڑا اور کھانا پھر خاموشی کے ساتھ شروع ہو گیا۔

زہرہ نے پلاؤ پکانے میں ساری توجہ اور ذہانت کو صرف کر دیا تھا۔ وہ محسن سے اپنے سلیقے کی داد لینا چاہتی تھی اور سلمیٰ سے افضلیت تسلیم کرانے کی فکر میں تھی اس کا یہ منشا پورا ہونا تو درکنار، معمولی داد بھی نہ مل سکی۔ پھر بھی وہ خوش تھی کہ اس کا محسن ایک بڑی ذلت اٹھانے سے بچ گیا تھا۔ اور حمید کو اسلئے خفیف ہونا پڑا تھا۔

سلمیٰ کی خوشی کا پوچھنا کیا۔ وہ کوشش کر کے حمید کی طرف دیکھتی جاتی تھی اور دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی ——— تاہم اس کو محسن کی یہ طرفداری کھٹکی پڑی کیونکہ اس کے چچا انوار حمید کے مقابلہ میں ایک غیر شخص کی حمایت پر اس سے متغص ہو گئے۔ لیکن سلمیٰ کو ایسی کسی بات کی پرواہ نہ تھی بلکہ وہ حمید کو محسن پر حملے کا جواب دینے کی سوچ رہی تھی جس کا سلسلہ اس نے فی الفور جاری کر دیا اور زہرہ سے کہنے لگی۔

"تم نے یہ پلاؤ ایسا پکایا ہے کہ انسان کھاتا ہی چلا جائے مگر جس کسی نے مقدار سے زیادہ کھا لیا اس کو رات کو معدے کی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔"
اس کا اشارہ حمید کی طرف تھا جس کو زہرہ نے سمجھ لیا اور کن انکھیوں سے

حمید کی طرف دیکھ کر مسکرادی ۔۔۔ حمید اس کے طنز پر غصہ میں کھول گیا اور اس کے منہ تک جاتا ہوا نوالہ رک گیا ۔ لیکن سلمیٰ نے ایک بات کہی تھی ۔ لہٰذا اس کو پانی کی مدد سے نوالہ اُتار لینا پڑا اور پھر وہ کچھ کھا نہ سکا تھا ۔

اُس کی پلیٹ میں نکلے ہوئے چاول رکھے رہ گئے اور سلمیٰ نے منصور کو دکھانے کے لئے آداب دسترخوان سے حمید کی ناواقفیت کا ایک ثبوت فراہم کرادیا ۔

فضا کسی حد تک مکدر ہو چکی تھی تاہم سلمیٰ کی خوش مزاجی نے اس تکدر کو دور کردیا وہ کھانا ختم ہوتے ہی زہرہ کے شعور و سلیقے کے گن گانے لگی اور محسن کو محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ اس کی اپنی تعریف کررہی ہو اُس نے ایک خاص نگاہ سے سلمیٰ کو دیکھا اور زہرہ کے دل پر ایک جھٹکا سا لگ گیا ۔ حالانکہ یہ صرف زہرہ کی غلط فہمی تھی ۔ محسن نے سلمیٰ کو اس انداز سے نہ دیکھا تھا سلمیٰ .... جس کی طلبگار تھی ۔ بلکہ اس نے ایک طرح پر زیادہ کی جانب سے اظہار امتنان کیا تھا اور آنکھوں آنکھوں میں اس کی جوہر شناسی کو سراہا تھا ۔

انوار قدسیہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور شاہد اپنی مالکہ کی خوش سلیقگی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے ۔۔۔ سب بول رہے تھے ۔ خاموش تھے تو حمید و منصور حمید بھری محفل میں منہ کی کھانے کے باعث اور منصور کسی اور خیال کے سبب ۔۔۔ وہ کبھی زہرہ کو اور کبھی محسن کو دیکھ لیتے اور سر جھکا کر رہ جاتے تھے ۔

منصور ایک ہنس مکھ اور خوش مزاج انسان تھے لیکن جس وقت سے قدسیہ و شاہد نے محسن سے زہرہ کی نسبت کے سلسلہ میں اُن کا مُنہ بند کیا تھا ۔ اس وقت سے ان کو ایک چپ سی لگ گئی تھی ۔ وہ اپنی افسردگی کو ماحول پر اثر انداز نہ ہونے دیتے تھے مگر اُن کی خاموشی قدسیہ و شاہد سے چھپی نہ رہی ۔ قدسیہ نے آنکھوں آنکھوں میں شاہد کو اُن کی حالت کی طرف متوجہ کیا اور پھر انوار سے مخاطب ہوگئی ۔

پچھلے چند روز سے کلکتہ کے مہمانوں پر اُس کی عنایتیں بڑھ گئی تھیں بالخصوص انوار و حمید پر تو وہ بہت مہربان تھی ۔ اس کا سبب صرف وہی جانتی تھی یا شاید انف تھے ۔ چنانچہ اس وقت بھی بالکل اپنائیت کے لہجے میں انوار سے مخاطب رہی اور کھانا ختم ہونے پر بھی باتوں کا سلسلہ موقوف نہ ہُوا ۔

کھانے کے بعد قہوہ کا دور چلا ــــــ اور محسن ایک پیالی قہوہ پی کر اپنے مقام پر پہنچنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ۔

وہ سب کو سلام کر کے چند ہی قدم گیا ہو گا کہ سلمیٰ کی آواز کان میں پڑی جو اس سے کہہ رہی تھی ۔

"ٹھہریئے مسٹر محسن، میں بھی آ رہی ہوں ۔"

محسن ٹھہر گیا اور سلمیٰ اُٹھ کر چل دی ۔ حمید محسن کی قدر افزائی پر جل کر کباب ہو گیا اور زہرہ کو نسائیت کے ایک جذبے نے بے چین کر دیا اس کو محسوس ہونے لگا کہ سلمیٰ محسن کو اس سے چھینے لئے جا رہی ہے ۔ اس وقت وہ اکیلی محسن کے قریب پہنچ گئی تو محسن اس سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گا ۔ زہرہ میں نہ سلمیٰ کی سی جلت پھرتی تھی اور نہ وہ اس کی کاٹ کا کوئی جواب ہی دے سکتی تھی ۔ پھر بھی اس نے اپنے حق کا تحفظ کا ایک عزم کر لیا اور سلمیٰ سے پوچھنے لگی ۔

"کہاں جا رہی ہو سلمیٰ ۔"

"محسن سے باتیں کروں گی ان کے کمرے میں بیٹھ کر ۔" سلمیٰ نے بتا دیا اور زہرہ کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولی ۔

"میں بھی چلتی ہوں ۔"

سلمیٰ اُس کے ساتھ کو پسند نہ کرتی تھی مگر وہ اس کو روک نہ سکی اور دونوں نے محسن کے عقب میں قدم اُٹھا دیئے ۔

حمید جذبۂ رقابت میں گھٹا جا رہا تھا۔ قدسیہ و شاہد کے چہروں پر زہرہ کے جانے سے ایک ناگواری جھلک رہی تھی۔ انوار اپنے بیٹے کے نظر انداز کر دئے جانے پر کڑھ رہے تھے اور اُن کو سلمیٰ پر بہت غصّہ تھا ـــــ خوش تھے تو صرف منصور۔ اُن کی نگاہ زہرہ و محسن کو ایک ہی جگہ دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اُن کا کوئی زور نہ چل رہا تھا وہ بیوی کی ضد سے مجبور ہو گئے تھے۔

محسن سلمیٰ کی آواز پر رک گیا۔ زہرہ و سلمیٰ لمبے لمبے ڈگ اُٹھاتی ہوئی نزدیک پہنچ گئیں تو اس نے مسکرا کر کہا

"حمید کو بھی لے لو وہ کڑھ رہا ہوگا۔"

"چھوڑو بھی اس بدتمیز کو ـــــ" سلمیٰ نے کہا پھر اسی سلسلہ میں اضافہ کیا "وہ منھ لگانے کے قابل ہی نہیں ہے۔ بڑے خراب نفس کا آدمی ہے۔"

"جانے بھی دو ـــــ اس کی باتوں پر نہ جاؤ۔" محسن کا جی نہ چاہتا تھا کہ حمید کو معاف کرے تاہم اس نے کردار کی بلندی کا ثبوت دے دیا اور زہرہ نے اُس کی تائید کی۔

"کام تو انہوں نے بہت ذلیل کیا ہے پھر بھی ہمیں درگذر کرنا چاہیئے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" سلمیٰ مسکرا کر بولی اور گھوم کر دیکھنے لگی۔ شاید وہ حمید کو پکارنا چاہتی تھی۔ لیکن یکایک اُس کی رائے بدل گئی تھی اور وہ کہنے لگی۔

"میرے خیال میں اُس وقت تو اس کو چھوڑ ہی دینا چاہیئے۔"

"چھوڑ دو ـــ" محسن نے کہہ دیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

وہ سلمیٰ کی خوش مزاجی اور حسن صورت سے متاثر تھا اور زہرہ کے بعد کسی پر اس کی نظر جم سکتی تھی تو اس پر۔ اس نے کمرے میں پہنچ کر دونوں کے لئے دو کرسیاں جھاڑ کر بچھا دیں اور خود تیسری کرسی کو ذرا سے پیچھے گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

وہ کم وبیش ایک گھنٹے تک بیٹھے مگر ان کے مابین کسی خاص موضوع پہ کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ صرف لکھنؤ اور کلکتہ پر بات چیت ہوتی رہی اور سلمیٰ کی تحریک پہ زہرہ و محسن نے کلکتہ جانے کا وعدہ کرلیا۔

زُہرہ آدھی رات کے قریب گھڑی دیکھ کر اُٹھی تو سلمیٰ کو بھی چلنے کا خیال آیا اُس نے بھی اس کا ساتھ دیا ـــــ محسن نے دونوں کو تھوڑی دور تک پہنچایا اور سلمیٰ اس کو ایک ہیجان انگیز نگاہ سے دیکھ کر رخصت ہوگئی۔

اس کی نگاہ کا مطلب محسن کے لئے ناقابل فہم نہ تھا اور اس کے نزدیک یہ اس کا انتہائی مقدر تھا جو ایسی پری جمال اس کو دعوت دے رہی تھی مگر اس کو سخت افسوس تھا کہ زہرہ کو دیکھنے والی نگاہ سے وہ کسی اور کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

قدسیہ و شاہد میں انور سے بات چیت کرنے کا ایک منصوبہ بن گیا تھا اور اُس کے لئے دعوت کے بعد کا وقت مقرر ہوگیا تھا لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ حمید بیٹھا ہوا تھا اور اس کی موجودگی میں کوئی گفتگو مناسب نہ تھی۔ لہٰذا قدسیہ اُس کو ٹالنے کے لئے شاہد کو اشارہ کرنے لگی اور شاہد کو کوئی صورت بن نہ پڑی تو اس نے خود حمید سے کہدیا۔

"تم نہیں گئے لڑکیوں کے ساتھ۔؟"

"جی میں نے کہا کہ آپ لوگوں کے پاس بیٹھ لوں، تھوڑی دیر"، حمید نے خفت کو سعادت مندی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی۔ پھر مصلحتاً یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا

ہُوا۔

"دیکھوں تو کیا کر رہے ہیں لوگ۔"

قدسیہ اِس موقع کی جویا تھی۔ اس نے اس کے جاتے ہی انوار کو مخاطب کر لیا اور کہنے لگی۔

"مجھے آپ سے بڑی شکایت ہے۔"

"کیا —؟" انوار نے پوچھا اور قدسیہ نے کہہ دیا۔

"آپ نے اپنی بھتیجی کے لئے فکر نہیں کی۔"

منصور خاموش تھے۔ بیوی کی تحریک پر اُن کی ابروؤں پر بل پڑ گئے۔ مگر انہوں نے زبان بند رکھی — اور انوار کہنے لگے۔

"میری اِس کوتاہی میں کچھ خودغرضی کو بھی دخل ہے — میں دراصل حمید کی تعلیم ختم ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ کسی قابل ہو گیا تو اِدھر اُدھر نظر دوڑانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔"

شاہد، انوار و قدسیہ دونوں سے بات چیت کر چکے تھے۔ انہوں نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"حمید میاں بی اے کا امتحان دے ہی چکے ہیں اِس سال۔ زائد سے زائد دو چار برس اور پڑھیں گے۔"

"یوں تو اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ گھر کا کام سنبھالنے کے قابل ہو ہی گیا ہے۔ لیکن میں اس کی تعلیم اس وقت تک ختم نہ کراؤں گا جب تک وہ خود اکتا نہ جائے۔" انوار نے اپنے خیال کو ظاہر کیا اور منصور نے پہلی مرتبہ مداخلت کی۔

"اس کی نسبت تو سلمیٰ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔"

"مگر وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔" انوار نے ان کی بات کو

رد کرنے کے لئے کہا اور منصور نے انوار کے الفاظ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔
"اس کی کیا دلیل ہے کہ زہرہ و حمید کے درمیان ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔"
"جہاں تک حمید کی رضا کا تعلق ہے، اس کا میں نے اندازہ کرلیا ہے ہاں زہرہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" انوار نے اتمام حجت کر دیا اور قدسیہ بول اٹھی۔
"یہ مجھ پر چھوڑ دیا جائے۔"
منصور اپنے پر بہت جبر کر رہے تھے اور ناگواری کو کسی نہ کسی طرح چھپائے ہوئے تھے لیکن اس موقع پر ان سے نہ رہا گیا اور وہ قدسیہ سے کہنے لگے۔
"دیکھو بیگم، تمہیں ماں کی حیثیت سے بیٹی کے متعلق ہر قسم کا حق پہنچتا ہے مگر میں زہرہ کی مرضی کے بغیر شادی نہ ہونے دوں گا۔"
"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ جیسے میں اس کی دشمن ہوں" قدسیہ نے بگڑتے ہوئے کہا اور اس سلسلہ میں اضافہ کیا۔ "میں خود اس سے پوچھ کر ہی کوئی بات پختہ کروں گی۔"
قدسیہ کا یہ کہنا سرتاسر تریا چلتر پر مبنی تھا۔ کیونکہ ذاتی طور پر وہ لڑکی کی رضا لینے کی قائل نہ تھی جس کا اظہار ایک دن شوہر سے کر چکی تھی۔ اس وقت حالات کے مطابق اس نے بات کا رخ اس طرف پھیر دیا اور منصور نے کہہ دیا۔
"تو انوار سے کسی قطعی گفتگو کو آئندہ پر اٹھا رکھو۔ اور پہلے بیٹی کا امتزاج کرلو۔"
"میں کل ہی اس سے دریافت کرلوں گی اور جیسا کچھ ہوگا۔ آپ کو یا انوار کو بتا دوں گی۔" قدسیہ نے یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا اور منصور اٹھ کھڑے ہوئے انوار نے ان کا ساتھ دیا اور دونوں آگے پیچھے باہر کی طرف قدم اٹھانے لگے۔
حمید دروازے کی آڑ سے ان سب کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ محسن کے کمرے کی سمت

جانے کے بجائے اسی طرف منڈلا رہا تھا اور موضوع کو اپنے منشاء کے مطابق پاکر کیواڑ
سے لگ کر کھڑا ہو گیا تھا ــــ انوار و منصور کے دروازے تک پہنچنے سے قبل وہ
مردانے حصے میں پہنچ گیا اور اپنے پلنگ پر جا کر دراز ہو گیا۔

انوار ایک اوسط درجہ کے آدمی تھے۔ عیوب اور خوبیوں کا مجموعہ ــــ
لیکن ان کی اولاد میں حمید سراپا عیوب نکلا۔ جہاں تک نفس کی گندگی کا تعلق تھا
وہ تو اس میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ اس کے علاوہ وہ سخت بے حیا، خود غرض اور
مکّار تھا۔

ابتداءً وہ سلمیٰ پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ اور سلمیٰ کے بیزار رہنے کے
باوجود اس کی خوشامد میں لگا رہتا تھا ــــ انوار جب لکھنؤ آنے کو تیار ہوئے
تو اس نے سلمیٰ کو گھیر کر ہم سفر بنا لیا اور کلکتہ سے لکھنؤ تک اس کی رضا جوئی میں
کوشاں رہا۔

چارباغ اسٹیشن پر ریاض کو دیکھنے سے قبل تک وہ سلمیٰ ہی کا پرستار تھا لیکن
تربتِ منصور کے ایک نظارے نے ہوا و ہوس کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔
اور کل کی تجلیاں آج کے جلوؤں کے سامنے پھیکی نظر آنے لگیں۔

یہ حمید کی طبیعت کا ایک نیا رُخ تھا جس نے اس کی تلوّن مزاجی کا انکشاف
کر دیا ــــ زُہرہ یا شبیہ پیکرِ انسانی میں حوروں کا جمال رکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں
سے غزالانِ صحرائی کی شوخیاں اور چہرے سے شاہزادیوں کا جاہ و جلال ٹپکتا تھا۔

اور تھی بھی وہ شاہزادی ہی ۔ مگر ایسی شاہزادی، جو غرور کی بجائے خوش خلقی اور تمکنت کے عوض انکسار کی عادی ہو اور جس کو احساس بھی نہ تھا کہ قدرت نے اس کو کس کس دولت سے مالامال کیا ہے ۔۔۔ لیکن سلمیٰ بھی اس کے مقابلہ پر کوئی پست درجہ تو نہ رکھتی ۔ ایک ذی عزت باپ کی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ حسن و شباب کے تمام ہتھیاروں سے مسلح تھی ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس میں حسین ہونے سے زائد حسین بن جانے کی صلاحیت تھی ۔ اس کی ادائیں جان لیوا، نگاہ قاتل تھی اور رفتار دلوں کی دھڑکن تیز کر دیتی تھی۔

کوئی نظر والا زہرہ کے سامنے اس کو نظر انداز نہ کرسکتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ زہرہ کا حسن کچھ اور انوکھی خصوصیات رکھتا تھا اور انسان میں کوئی ہیجانی کیفیت پیدا کرنے کے بجائے دیکھنے والوں کو عالمِ خیال میں پہنچا دیتا تھا ۔۔۔ اور یہ اس کے حسن کی کرامت ہی تھی کہ حمید کا سا نفس پرست اب تک اس کے لئے کسی ذہنی آلودگی میں مبتلا نہ ہوسکا تھا ۔ اس نے اس کو سلمیٰ کی جگہ ضرور دے دی تھی ۔ لیکن سلمیٰ کی طرح نہ وہ اس کے جسم کا تصور کرسکتا تھا اور نہ دل میں اس کو چھیڑنے کی آرزو پیدا ہوئی تھی بلاشبہ اس کا طلبگار بن گیا تھا ۔ صرف اس لئے نہیں کہ جوانی زہرہ کی متقاضی تھی بلکہ اس لئے کہ آنکھیں ہر وقت اس کو دیکھنا چاہتی تھیں اور دل اس کی سجدہ گاہ میں سجدہ ریز رہنے کو بے چین تھا ۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب حمید کی نیت میں کوئی پاکیزگی اور خیالات میں تقدس پیدا ہوگیا تھا ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زہرہ کے حسن کی نفاست نے اس کو جنسی انداز پر کچھ سوچنے ہی نہ دیا تھا اور وہ اس کے سامنے اس قدر احساسِ کمتری میں مبتلا تھا کہ تنہائی کے لمحات میں بھی اس کے حسین تصور سے مرعوب رہتا تھا۔

اس کی یہ طلب روز افزوں تھی اور دن گزر جانے کے ساتھ زہرہ اس کے

تصوّرات پر چھاتی جارہی تھی۔ محسن سے اُس کی عداوت کا بنیادی سبب یہی تھا کہ اس نے اوّل دن سے زُہرہ کو اس کی طرف ملتفت پایا تھا۔ اور اس کے بعد روزانہ کی نشست ہی وہ محسن کی موجودگی میں اُس کی جانب توجہ بھی نہ کرتی تھی۔

حمید ہر شب یہ منصور کی بیٹی سے اظہارِ محبت کرنے کے منصوبے بناتا اور دردِ دل کے بیان کرنے کے لئے الفاظ جمع کرتا مگر دن کو اُس کی آرزوئیں خاک میں مل جاتیں۔ زُہرہ اُس کو بات کرنے کا موقع ہی نہ دیتی اور وہ ارادہ کر کے رہ جاتا۔

اپنی طرف سے مایوس ہو کر اُس نے باپ کا سہارا لیا اور ایک دن ایک پرچہ لکھ کر انوار کو دیدیا —— انوار کی نگاہیں بھی زُہرہ پر جمی تھیں انہوں نے باتوں باتوں ہی باپ بیٹے سے کوشش کرنے کا وعدہ کر لیا اور شاہد کو ہموار کرنے میں لگ گئے۔

شاہد اتفاق سے خود یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے درمیان میں پڑ کر قدسیہ سے گفت و شنید شروع کر دی اور دعوت کے بعد ایک براہِ راست بات چیت عمل میں آگئی۔

حمید کے کان کوئی خوش خبری سُننے کے منتظر تھے۔ قدسیہ نے جب بہانے سے اس کو ٹالنے کی سعی کی، تو وہ کچھ کھٹک گیا اور دروازے کے پاس ٹھہر کر اندر کی سن گن لینے لگا —— گفتگو اس کی منشائے مطابق تھی اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور انوار و منصور کے اُٹھتے ہی وہ چوری کو چھپانے کے لئے تیز تیز چل کر اپنے مقام پر آگیا۔

انوار و منصور اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ کر بستروں پر لیٹ چکے تھے حمید بھی مسہری پر دراز ہوگیا۔ مگر اس کو نیند کہاں؟

یہ پہلا دن تھا جب وہ انتہائی جسارت سے کام لے کر ایک مرد کے انداز پر زُہرہ کا تصوّر کر رہا تھا اور جنسی نگاہ سے اُس کے تناسبِ جسمانی کا جائزہ ——

لے رہا تھا۔

قدسیہ کو ایک فکر دامنگیر ہو گئی تھی۔ اس کو قرار نہ پڑا اس نے اسی وقت ایک خادمہ کو زہرہ کے بلانے کے لئے بھیجدیا اور خود اداکاری کا ایک پلان بنانے لگی۔
زہرہ اسی وقت محسن کے کمرے سے آکر لیٹی تھی کہ خادمہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے اندر کی سٹکنی اتار کر کیواڑ کھول دئے۔
خادمہ نے ماں کی طلبی کا حکم سنادیا اور زہرہ گھبرائی ہوئی ماں کے پاس پہنچ گئی۔
قدسیہ کے چہرے سے انتہائی ذہنی اذیت اور قلبی تکلیف کا مظاہرہ ہو رہا تھا طبیعت امنڈ رہی تھی مگر وہ رو نہ پاتی تھی۔ زہرہ سامنے پہنچتے ہی اس سے پوچھنے لگی
"خیریت تو ہے، امی حضور۔ کیسے طلب فرمایا ہے مجھے"
"میں تم سے اپنی عزت کی بھیک چاہتی ہوں — تم چاہو تو اس کو بچا سکتی ہو۔" قدسیہ نے رندھے ہوئے گلے سے کہدیا اور زہرہ متوحش ہو کر بولی۔
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ بتائیے تو بات کیا ہے آخر۔"
"یوں نہ بتاؤں گی، پہلے وعدہ کرو، کہ مجھے مایوس نہ کرو گی۔" قدسیہ نے آنکھیں پونچھ کر نگاہیں اس پر جمادیں اور ریاض نے کہا۔
"میری کیا یہ مجال ہے کہ آپ کے کہنے کے خلاف کروں۔"
"مجھے تمہاری سعادتمندی سے اسی کی امید ہے لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو تب ہی

کہوں گی۔“ چالاک عورت نے بھولی لڑکی کو الفاظ کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی اور زہرہ نے ماں پر اعتمادِ کلی کرتے ہوئے قول دیدیا۔

”میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے حکم پر عمل کروں گی“۔

قدسیہ نے ایکبار پھر پُرامید نگاہیں اوپر اُٹھا کر بیٹی پر گڑودیں۔ اور کہدیا۔ ”تم حمید سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاؤ۔“

زہرہ ماں کے الفاظ سُنتے ہی چونک پڑی۔ اس کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ یکایک کسی کوہ آتش فشاں میں جھونک دی گئی ہو اور اُس کے روئیں روئیں میں آگ لگ گئی ہو —— دماغ پر ہتھوڑے پڑ رہے تھے اور کانوں میں گرم سلاخیں بھونکے جانے کا احساس ہو رہا تھا کہ قدسیہ نے اس کو متوجہ کیا اور کہنے لگی۔

”تمہارا انکار میری آبرو کو خاک میں ملا دے گا۔ میں تمہارے باپ اور انور دونوں سے کہہ چکی ہوں کہ میری بیٹی حمید کو ناپسند نہیں کرتی۔“

”آپ نے ایسا کیوں کیا؟“ زہرہ نہایت کرب میں بولی اور قدسیہ نے کہا۔

”اب یہ سوال لاحاصل ہے۔ میں نے بات پکی کرلی ہے۔“

”آپ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا امی حضور!“ زہرہ بلک پڑی اور اُس کے آنسو روانی سے بہنے لگے —— قدسیہ نے مامتا کے جوش میں اس کو سینے سے لگالیا اور زُہرہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ قدسیہ سے بھی صبر نہ ہو سکا۔ وہ آخر کو ماں ہی تھی۔ اس نے بھی رونے میں بیٹی کا ساتھ دیا اور دیر تک دونوں ماں بیٹی گنگا جمنا ایک کرتی رہیں۔

رونے سے طبیعتیں ہلکی ہوئیں تو قدسیہ نے آنچل سے زُہرہ کی آنکھیں پونچھیں اور کہنے لگی۔

”مجھے احساس ہے کہ تمہارے لئے میری بات کا قبول کرنا آسان نہ ہوگا۔ مگر

میری عزت رکھ لو ـــ تمہارے باپ کو تمہاری ناراضگی کا حال معلوم ہو گیا۔ تو میری ناک چوٹی کٹ جائے گی۔"

"اللہ، میں کیا کروں۔" زہرہ بیچارگی میں پھر رو پڑی اور قدسیہ نے عورت کی فطرت کے لحاظ سے ایک نفسیاتی وار کر دیا۔

"بیٹیاں تو ماں باپ کی زبان کے پاس میں زہر کو دوا کی طرح پی لیتی ہیں۔ تم میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتیں!"

"کروں گی کیوں نہیں، لیکن زندہ درگور ہو جاؤں گی۔" زہرہ نے کہہ دیا اور قدسیہ نے ایک جذبے میں اُس کو سینے سے لگا لیا۔

رات نصف سے زائد گزر چکی تھی ـــ ماں بیٹی کچھ دیر اور اُسی قسم کی باتیں کرتی رہیں پھر قدسیہ نے سمجھا بجھا کر زہرہ کو سونے کے لئے بھیج دیا اور حرماں نصیب زہرہ اپنے کمرے میں پہنچ کر پلنگ پر گر پڑی۔

شدّتِ غم اور احساسِ نامرادی میں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی سو نہ سکی۔ مگر یہ اس کی المناک زندگی کی پہلی رات تھی اس کو ابھی نہ جانے کیسی کیسی آزمائشوں سے گزرنا تھا۔ جس کا اندازہ دوسرے ہی دن ہو گیا۔ جب اُس نے ایک خادمہ کے ذریعہ سُن لیا کہ حمید کے ساتھ اُس کے رشتے کی بات چیت طے ہو گئی۔

زہرہ پر اچانک ایک کوہِ مصیبت ٹوٹ پڑا اور صرف اسی پر نہیں محسن پر بھی اور کسی حد تک منصور پر بھی جن کا دل ایک موزوں نسبت کو چھوڑ کر بیٹی کا ناموزوں رشتہ پختہ ہو جانے پر کڑھ رہا تھا۔ مگر وہ زبان سے کہہ نہ سکتے تھے۔

کتنی نامبارک ساعت تھی وہ جب کلکتہ کے مہمان منصور کے گھر آئے تھے۔ اُن کا یہ آنا صرف اسی اعتبار سے نامساعد نہیں ہوا کہ دلوں میں اک آگ لگ گئی بلکہ اس لحاظ سے بھی اُس کو منحوس کہا جا سکتا ہے کہ کئی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں اور خاندان کی تباہی کے امکانات پیدا ہو گئے۔

منصور نے تو اپنی افتادِ طبیعت کے خلاف ہونٹوں کو سی لیا تھا کیونکہ ان کو زبان کو جنبش دینے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہ گئی تھی۔ قدسیہ نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ زہرہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور زہرہ کی خاموشی ماں کے بیان کی تصدیق کر رہی تھی۔ لہٰذا منصور کی ہر مداخلت کا امکان ختم ہو گیا تھا پھر بھی ان کا دل کہتا تھا کہ اُن کی بیٹی محسن ہی کو پسند کرتی ہے۔

منصور ایک زیرک اور ہوشمند انسان تھے لیکن ان میں ایک بڑی خوبی یا عیب یہ تھا کہ اپنے سے زائد متعلقین کی رائے پر عمل کرتے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی انہوں نے قدسیہ دشاہد کے فیصلہ کو ترجیح دی اور یقین کر لیا کہ وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، زہرہ کے لئے وہی مفید ہوگا — اور اُن کی یہ روش بیٹی کے لئے سمِ قاتل بن گئی اور زہرہ کو جیتے جی موت کا مزا آنے لگا۔

وہ کوئی چہار دیواری میں بیٹھنے والی لڑکی نہ تھی جس کی زبان احتجاج میں کھل نہ سکتی تھی۔ لیکن اس کو قدسیہ کے دیئے ہوئے قول کا لحاظ تھا۔ اس لئے ماں کے احترام میں لبوں کو جنبش نہ دے سکی اور اندر سے باہر تک اس کی نسبت طے ہو جانے کی خبر پھیل گئی۔

اس فیصلہ کی سب سے زائد خوشی حمید کو ہوئی جو ہونا چاہیئے تھی مگر سلمیٰ نے اس سے کم مسرت کا مظاہرہ نہ کیا وہ فوراً زہرہ کے پاس دوڑی گئی اور اس کو گدگدا کر چھیڑنے لگی — زہرہ نے پورے ثباتِ قدم اور تحمّل کے ساتھ اس مرحلے سے گذر جانے کا

تہیہ کر لیا تھا لیکن اس کے آنسو نکل آئے اور زبان نے انشاء اللہ خاں کا رنگ اختیار کر لیا۔

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

سلمیٰ تحیر میں پڑ گئی اور اس سے پوچھنے لگی۔

"کیوں کیا یہ شادی منظور نہیں ہے تم کو۔"

"مشرق کی لڑکیاں والدین کی مرضی کی پابند ہوتی ہے" زہرہ نے جواب دیا اور سلمیٰ تعجب کے ساتھ بولی۔

"کیا تم بھی اُن لڑکیوں میں ہو؟"

"چھوڑو بھی اس تذکرہ کو سلمیٰ، بلکہ میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ میری باتوں کا کوئی لفظ کسی سے نہ کہنا۔" زہرہ نے منت آمیز لہجے میں اس سے کہا اور سلمیٰ خاموش ہو گئی — زہرہ سے ہمدردی رکھنے کے سبب نہیں بلکہ خود اپنی مصلحتوں کی خاطر کیونکہ اس کے مفاد حمید کے زہرہ سے منسلک ہو جانے ہی میں تھے جس کے بعد انوار یا سلمیٰ کے باپ کا دُردی حمید کے لئے کوئی زور نہ ڈال سکتے تھے۔

وہ زہرہ سے باتیں ہی کر رہی تھی کہ حمید نے دروازے کے باہر سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور زہرہ نے سلمیٰ سے کہہ دیا۔

"اُن سے کہدو کہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کیا کریں۔"

سلمیٰ مسکرا دی اور اس نے جب باہر آکر حمید سے کہا تو اس کے ہونٹوں پر ایک حماقت آمیز مسکراہٹ نمودار ہو گئی جس کا مطلب یہ تھا۔

"بڑی فرسودہ ذہنیت کی لڑکی ہے۔"

حمید چلا گیا اور سلمیٰ پھر زہرہ کے پاس آ بیٹھی — تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے

اُٹھی تو اس کے قدم محسن کے کمرے کی سمت اُٹھ گئے۔ جو زُہرہ کی ہی طرح تصویرِ غم بنا ہوا تھا۔

زُہرہ نے محسن کے لئے سلمیٰ کی نگاہِ محبّت کو پہچان لیا تھا اور محسن کے بارے میں ایک غلط رائے قائم کر لی تھی کہ وہ اس سے بیوفائی کر کے سلمیٰ کی طرف ملتفت ہو رہا ہے۔ عورت پن کے تقاضے سے اس کو سلمیٰ سے نفرت ہو گئی تھی۔ مگر جس وقت سے وہ قدسیہ کے پاس سے آئی تھی اس وقت سے اس کو نہ کسی سے کوئی شکوہ رہا تھا اور نہ شکایت۔ بلکہ وہ ایک تسلسل سے مقدر کو کوس رہی تھی اور اپنے وجود سے نالاں تھی۔

اس کا دل محسن کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔ اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ قدسیہ نے جس طرح اس کو مجبور کر دیا ویسے ہی کوئی پابندی محسن پر بھی عائد کر دی گئی ہو گی مگر سلمیٰ جس وقت سے اُٹھ کر گئی تھی۔ اس وقت سے وہ سوچ رہی تھی۔

"سلمیٰ میری تباہی سے بہت خوش ہو گی اس کے لئے محسن تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو گیا۔"

زُہرہ کو سلمیٰ کی وہ خوشی یاد آ گئی جو اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی اور جس کا مظاہرہ اس نے کمرے میں آتے ہی کیا تھا —— اس کا کلیجہ اپنی نامرادی کے احساس پر پھٹا جا رہا تھا۔ سلمیٰ کی کامیابی کے خدشے سے سینے میں اک نئی جلن پیدا ہونے لگی۔ اور اُس کے مُنہ سے نکل گیا۔

"میں محسن کو کسی دوسرے کا ہوتے نہ دیکھ سکوں گی۔"

سلمیٰ کے لئے نفرت کا ایک تازہ احساس پیدا ہونے لگا اور وہ زیرِ لب کہہ گذری

"چڑیل کہیں کی —— بہت خوبصورت بنتی ہے۔"

مگر معاً وہ سنبھل گئی اور اپنے کو سمجھانے لگی۔

"زُہرہ تو اس سے کیوں ناراض ہے۔ محسن سے تیرا تعلق ہی کیا رہ گیا ہے

تو خود جو اپنے کو کسی دوسرے سے ہمرشتہ کرسکتی ہے تو محسن کی زندگی میں بھی کوئی نہ کوئی عورت داخل ضرور ہوگی — بفرض تو نے سلمیٰ سے اس کو بچالیا تو کوئی دوسری سلمیٰ وجود میں آجائے گی۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ محسن تیرا نام لئے بیٹھا رہے گا تو بھی تجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

عالی ظرف دوشیزہ وسعتِ نظر سے کام لے کر اپنے کو سمجھاتی رہی اور وقتی طور پر سنبھل بھی گئی مگر تھوڑی دیر بعد اس کے دل میں ایک ہوک اٹھنے لگی اور وہ سلمیٰ و محسن کو واسطے دے دے کر کڑھتی رہی — پھر بھی اس کو محسن سے کوئی گلہ نہ رہا تھا۔

مگر خود محسن کو اس سے بڑی شکایت تھی۔ اس نے سنا تھا کہ منصور کی بیٹی ہی نے حمید کو تجویز کیا ہے۔ محبوبہ کی یہ بے وفائی اس کے لئے قابلِ برداشت نہ رہی تھی اور اس کو شاہد کے الفاظ یاد آگئے تھے۔

"مخمل میں ٹاٹ کا پیوند زیب نہیں دیتا —"

منصور و زہرہ کا رویہ شاہد کے الفاظ کی تردید کرتا رہا مگر اب اس کو یہ رائے قائم کرلینا پڑی تھی کہ اس کے غریب باپ نے کچھ سمجھ کر یہ کہا ہوگا۔

محسن کو منصور سے کوئی شکایت نہ تھی۔ وہ اگر زہرہ کے لئے کوئی فیصلہ کردیتے تو بے مایہ نوجوان اپنے کو سمجھا لیتا۔

"لڑکی باپ کے حکم سے مجبور ہوگئی —"

مگر بحالتِ موجودہ ایسی کسی ابہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہ تھی کیونکہ زہرہ نے خود حمید کو محسن پر ترجیح دی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ اب تک اس کے طور طریقے اور نگاہ نے جو کچھ محسن سے کہا تھا وہ فریب تھا۔ حسن کا فریب اور سرمایہ داری کا فریب، مفلسوں کے دل ہمیشہ جس کی بھینٹ چڑھتے رہتے ہیں۔

زہرہ کا سراپا محسن کی نظروں میں پھر رہا تھا اور وہ خیال ہی خیال میں اُس سے کہہ رہا تھا۔

"تم ہی بتاؤ، اِس دُنیا میں اب کوئی کس پر اعتبار کرے —— تمہاری بھولی شکل دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ تم اتنی بے درد نکلو گی۔"

زہرہ سامنے ہوتی اور وہ اس سے ایسی کوئی بات کہتا تو ممکن تھا کہ اس کا جواب مل جاتا۔ لیکن اس کا تصور محسن کا اطمینان نہ کرا سکا اور وہ جل کر کہنے لگا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ کیا مل گیا تمہیں مجھ سے زندگی کا سکون چھین کر۔ تم مجھے نگاہِ محبت سے دیکھ کر میرے دل میں ارمانوں کی دُنیا آباد نہ کرتیں تو تمہارا کیا بگڑ جاتا۔ میں تمہیں اپنے مالک کی پارۂ جگر سمجھتے ہوئے دسترس سے دور سمجھتا رہتا اور تمہارے حاصل کرنے کی تمنّا دل میں پیدا ہی نہ ہو سکتی —— !"

وہ انہی خیالی اُلجھنوں میں مبتلا تھا کہ سلمیٰ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگی

کس سے باتیں ہو رہی ہیں جوش میں
اے تصور، کون ہے آغوش میں
اکبر حیدری

محسن کا دل و دماغ ٹھکانے ہوتا تو وہ سلمیٰ کو کوئی موزوں جواب ضرور دیتا لیکن اس پر تو کچھ ایسی گذر رہی تھی کہ جینے سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ سلمیٰ کی طرف نظر اُٹھا کر رہ گیا —— حسن کا ایک جیتا جاگتا مجسّمہ، شباب کا ایک رنگین پیکر اُس کے مقابل تھا۔ مگر وہ اُس سے کوئی لطف نہ لے سکا۔ البتہ اس نے اتنا ضرور کیا کہ اخلاقاً پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور سلمیٰ نے ایک کرسی اس کے قریب گھسیٹ لی۔

محسن انوار کی بھتیجی سے کافی متاثر تھا۔ لیکن اس وقت اس کا آنا اُسے بہت ناگوار گذرا۔ زبان سے تو وہ کچھ نہ کہہ سکا مگر اُس کا بشرہ ایک تکدّر کا مظاہرہ کئے بغیر

نہ رہا اور سلمیٰ نے ایک زیر لب تبسّم کے ساتھ بات چیت شروع کر دی۔

"کہیئے، کیسا مزاج ہے؟"

پرسشش یہ تری ظالم اک شرح مصیبت ہے
کہنا کسی بیکس کا اچھا ہوں عنایت ہے

محسن نے رسمی جواب دیدیا

"عنایت ہے —" سلمیٰ نے ٹکڑا لگایا

"میری عنایت ہے یا زُہرہ کی۔"

"تم اور زُہرہ کچھ مختلف تو ہو نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ دنیا کا ہر زردار اور ہر حُسن والا یکساں ہی ہوتا ہے۔" محسن کہنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اس نے کہہ دیا۔ سلمیٰ کو موقع مل گیا اور وہ ایک مبصرانہ انداز میں کہنے لگی۔

"آپ کو اس کا حق پہنچتا ہے جو چاہیں رائے قائم کریں لیکن نہ ہر لڑکی کا نام زُہرہ ہوتا ہے اور نہ ہر نوجوان محسن کی نگاہ رکھتا ہے جس نے زُہرہ کے علاوہ کسی کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

محسن اس کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے کوتاہ فہم نہ تھا۔ وہ گویا کہہ رہی تھی۔

"تم بے وفا زُہرہ کی روش سے اس قدر متاثر کیوں ہوتے ہو محسن۔ ذرا کسی سلمیٰ کو پیار کی نظر دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ عورت صرف دل توڑنا ہی نہیں جانتی، دل جوڑ بھی لیتی ہے اور دُنیا کے دوزخ کو جنت بھی بنا سکتی ہے۔"

سلمیٰ محسن کے نزدیک اس کی اہل تھی — جس کا وہ اس سے مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر افسوس اس کا تھا کہ خود محسن زہرہ کے علاوہ کسی کی طرف دیکھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا — ایک بیچارگی اور سلمیٰ کے لئے درد کے احساس میں اُس کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ اور وہ زیر لب کہنے لگا۔

"کتنی نیک ہو تم سلمیٰ، کاش زہرہ بھی تمہاری ہی جیسی ہوتی۔"
"یہ کس طرح ممکن ہے۔ دنیا میں سب ایک سے تو نہیں ہو سکتے۔" سلمیٰ نے پُرامید لہجے میں رائے زنی کی۔ اور محسن کو کہنا پڑا۔
"اور نہ سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے"
ایک لحظہ قبل قائم کی ہوئی اُمید کی بنیادیں ہل گئیں پھر بھی سلمیٰ نے ہمّت نہ ہاری اور کہنے لگی۔

"خیر چھوڑو اس بحث کو، اس کا تعلق تمہاری قوّتِ احساس اور دوسرے کی قسمت سے ہے، میں تو تمہیں اس امر پر توجہ دلانا چاہتی ہوں کہ تمہارے اس تاثر سے دیکھنے والوں کی نظروں میں زہرہ کی عزّت پر حرف آ جائے گا۔ نہیں تو ایسے تحمّل کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ کوئی کچھ سمجھ ہی نہ سکے ـــــ"
محسن سلمیٰ کی اس توجہ دہانی پر چونک پڑا۔ اس کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ کوئی غلط راستہ اختیار کر رہا تھا اور نیک دل دوشیزہ نے اس کو سنبھال لیا۔ اُس نے ایک ممنونیت کی نگاہ سے سلمیٰ کی طرف دیکھا اور اُس کی آنکھوں سے ایک عزم جھلکنے لگا۔
سلمیٰ نے اپنے اس نفسیاتی وار کی کامیابی پر ایک اطمینان کی سانس لی اور مسکرا کر کہا۔

"اچھا، اُٹھو، منہ ہاتھ دھو ڈالو تو چلیں گھوم پھر آئیں کہیں چل کر۔"
محسن بلا حیل و حجّت اُٹھ کھڑا ہوا اور سلمیٰ سوچنے لگی۔
"کتنا تغیّر ہو گیا ہے مجھ میں کہ ناقابلِ التفات نوجوان کی نازبرداری کر رہی ہوں۔"
اور اُس کا یہ سوچنا غلط نہ تھا۔ وہ سوسائٹی کی ان مغرور اور رنگین تیتریوں میں تھی جو چشم ہائے مشتاق کو قہر کی نگاہوں سے نوازنا بھی کسرِ شان سمجھتی ہیں، کلکتے

اچھے لڑکوں کو اس نے منھ نہ لگایا تھا ــــ حمید کے بارے میں معلوم تھا کہ باپ اور چچا کی مرضی کیا ہے۔ لیکن وہ تھی کہ بات بات پر اُسے جھڑک دیتی تھی محسن میں نہ جانے کیا بات تھی کہ جب سے اس نے اس کو اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ اس وقت سے وہ نظروں سے اُترتا ہی نہ تھا۔

زہرہ کا محسن کی جانب التفات سلمٰی کو بتا رہا تھا کہ اس کی حیثیت منصور کے گھر میں کچھ اور ہونے والی تھی۔ اور اُس کو یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ محسن خود زہرہ کے سامنے کسی اور کو خاطر میں نہ لائے گا۔ تاہم اس کا دل نہ مانتا تھا۔ وہ دوشیزگی کے وقار اور نسائیت کے رکھ رکھاؤ کو چھوڑ کر محسن کی طرف بڑھتی ہی جا رہی تھی اور حمید کی رقابت اور زُہرہ کی برہمی کی کوئی پرواہ نہ کرتی تھی۔

اس کو اپنی جدوجہد کے کارگر ہونے کا بالکل یقین نہ تھا اور وہ اپنے کو سمجھاتی تھی کہ یہ وہ کیا کر رہی ہے مگر کچھ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا اور محسن کی طرف اُس کی فریفتگی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا

زہرہ کے لئے بے وقوف حمید کا زاویۂ نگاہ بھی اُس سے چھپا نہ تھا لیکن محسن کے مقابلہ میں اُس کی نااہلی کوئی اُمید قائم کرنے نہ دیتی۔ وہ تصوّر بھی نہ کر سکتی تھی کہ منصور اس کو دامادی میں لینے پر تیار ہو جائیں گے ــــ ایک رات اچانک ایسی آواز کان میں پڑی تو وفورِ مسرت میں وہ بوکھلا گئی اور تصدیق ہو جانے پر رات کا ٹنا اُس کے لئے دشوار ہو گیا۔

دوسرے دن صبح سے اُس نے ایک مجوزہ لائحہ عمل کے مطابق اس نے کام کرنا شروع کر دیا اور زُہرہ کا رنگ لیکر محسن کے پاس پہنچ گئی۔

اپنے محبوب کا کسی دوسرے کے لئے تڑپنا ایک عورت کی حیثیت سے قابلِ برداشت نہ تھا مگر سلمٰی نے سرِ قیمت پر محسن کو حاصل کرنے کا تہیّہ کر لیا تھا۔ اس لئے پہلے اس نے اس کو

اپنے سے مانوس کرنے کا التزام کیا۔ پھر ایک بہانہ کر کے ہوا خوری کے لئے نکل گئی۔
لکھنؤ کے تاریخی مقامات اور تفریح گاہیں سب اُس کی دیکھی ہوئی تھیں لیکن محسن کو ساتھ رکھنے کی خاطر اُس نے اس کا اشتیاق ظاہر کر دیا اور اس طرح اُس کو پورے دو روز شاہد کے بیٹے کے ساتھ رہنے کا موقع مل گیا۔
محسن دل شکستہ اور تھکا ہارا تھا۔ اُس نے بھی جی بہلنے کے لئے ایک حسین سہارے کو غنیمت سمجھ لیا اور تین چار روز کاٹ لے گیا۔
اس عرصہ میں زُہرہ سے اُس کی ملاقات نہ ہوئی — ایک دن سلمٰی اس کو اپنے کمرے کی طرف لئے جا رہی تھی کہ زُہرہ سامنے سے آتی دکھائی پڑ گئی — وہ بہت کم اپنے کمرے سے نکلتی تھی پھر بھی کوئی قیدی تو تھی نہیں جو پاؤں باندھے بیٹھی رہتی میفوظ نے اس کو بُلا بھیجا تھا جن سے مل کر واپس ہو رہی تھی کہ محسن مقابل سمت سے آ گیا دونوں کی نگاہیں ٹکرا گئیں اور بجلیوں کی چمک میں غم کے بادلوں نے بارانِ اشک برسانا شروع کر دیا۔
محسن احساسِ نامرادی اور ہجومِ آلام سے کافی متاثر ہوا تھا مگر سلمٰی کے باعث اس کا بیشتر وقت کٹتا رہتا تھا۔ زُہرہ کو ابھی کوئی ایسا آسرا نہ ملا تھا۔ وہ چند ہی روز میں کڑھ کڑھ کر دُبلی ہو گئی تھی۔ محسن کی نگاہ اس پر پڑی تو کلیجہ منہ کو آ گیا اور ایک سوال خود بخود پیدا ہو گیا۔
"اس کے رنجیدہ رہنے کی وجہ کیا ہے ؟"
محسن اُس کا کوئی معقول سبب نہ سمجھ سکا اور زُہرہ تیز تیز قدم اُٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
محسن نے بھی کسی کے دیکھ لینے کے خیال سے آنسو پونچھ ڈالے اور سلمٰی سے معذرت کر کے اُلٹے قدم پلٹ پڑا۔ سلمٰی اس کو تنہا چھوڑنا نہ چاہتی تھی لیکن اُس نے مصلحتاً

تھوڑا وقت دے دیا اور محسن اپنے مقام پر پہنچ کر خیالوں سے الجھنے لگا۔
زہرہ کی بے دردی نے اس کے کلیجہ میں ناسور ڈال دیئے تھے مگر وہ اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ پر قادر نہ تھا پہلے بھی ایک تسلسل سے سوچتا رہتا تھا۔ آج بھی گھنٹوں تک غور و خوض کرتا اور اس کا تھکا ماندہ دماغ اس معمہ کو حل نہ کر سکا کہ زہرہ کے آبدیدہ ہو جانے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔؟
اس کو اپنے وجود سے نفرت سا ہونے لگی اور اپنے لئے وہ ایک عزم کر چکا تھا۔ اس واقعہ نے اس عزم میں تھوڑی سی ترمیم کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ اپنے ارادے پر عمل کرنے کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔

جو میں ایسا جانتی۔ پریت کیے دکھ ہوئے۔
نگر ڈھنڈورا پیٹتی۔ پریت کرے نا کوئے

زہرہ کو حقیقتاً کسی سے کوئی گلہ شکوہ نہ تھا نہ صرف اپنے کھوٹے مقدر کا رونا تھا وہ دن رات اپنے منحوس وجود کو کوستی رہتی تھی اور حقیقتاً جینے سے دل سیر ہو گیا تھی۔ کئی مرتبہ جی میں آیا کہ کچھ کھا کر پڑ رہے پھر یہ سوچ کر رہ گئی کہ والدین کی بہت بدنامی ہو گی۔

دل تھا پابندِ وفا ورنہ کوئی بات نہ تھی
ایک ہی سانس تو حدِ شبِ تنہائی ہے

یہی ایک خیال تھا جس کے لحاظ نے زہرہ کو اس نوبت تک پہنچا رکھا تھا ورنہ اس کے لئے سماج کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جانا عین انصاف و شوار نہ

تھا۔ کئی بار ایک باغیانہ جذبہ دل میں پیدا ہوا اور وہ قدسیہ سے جا کر کہنے پر آمادہ ہو گئی۔

"آپ میری ماں ضرور ہیں مگر آپ کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ مجھے جیتے جی انگاروں میں جھونک دیں۔۔۔!"

مگر فی الفور قدسیہ کا اداس چہرہ سامنے آ گیا اور ضمیر کی آواز زہرہ کو سنائی دینے لگی۔

"تیرے انکار نے ماں کو کسی آزار میں مبتلا کر دیا تو کیا اپنے آپ معاف کر سکے گی؟"

جواب! اس کو اثبات میں نہ مل سکا اور زہرہ پھر اپنی سابقہ جگہ پر آ گئی

"میں ماں کی خوشیوں کے لئے تا زندگی موت کے مرحلوں سے گذرتی رہوں گی اور زبان سے اُف نہ کروں گی!"

اس نے ایک تہیہ کر لیا لیکن فوراً ہی خیال آ گیا۔

"غریب محسن ۔۔۔ میں تو امی حضور کے غلط وعدہ کا خمیازہ بھگتوں گی مگر محسن کو کس جرم کی سزا ملے گی ۔۔۔ اسی کی نا کہ اس نے مجھ سے محبت کی اور میری محبت اس کو راس نہیں آئی۔"

زہرہ کا دل محسن کی حالت کے تصور سے بیٹھنے لگا اور وہ اپنے درد کو بھول گئی ۔۔۔

ایسے موقعوں پر حمید کے خلاف اس کا خون کھولنے لگتا کہ یہ کمبخت کہاں سے آن مرا کہ اس نے زندگیاں اجیرن کر دیں ۔۔۔ جی میں آتا کہ حمید کو بلا کر اس پر برس پڑے اور کھڑے کھڑے اپنی کوٹھی سے نکال دے مگر اس کا نتیجہ پیش نظر ہوتا تو سارا غصہ سرد پڑ جاتا اور وہ اپنی بے بسی پر

رو نے لگی۔

اس کی تنہائی میں مخل ہونے والی اب صرف سلمیٰ رہ گئی تھی جو کہ کسی وقت آجاتی اور کچھ گھڑیاں قدسیہ و منصور لے لیتے۔ دن رات کے باقی لمحات ایسے ہی سوچ بچار میں گزرتے رہتے اور وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ پاتی کہ ایک سہ پہر کو محسن سے اس کا سامنا ہو گیا اور اس نے محسن کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان دیکھ لیا۔ اس ایک نظارے نے صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھین لیا۔ پہرہ کمرے کو بند کر کے گھنٹوں تک سسکتی رہی اور محسن کے تصور سے کہتی رہی "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں پیارے کہ میری ذات سے عورت کی وفاداری پر حرف پڑ گیا لیکن تم یقین کرو تو کہوں گی کہ فرض نے مجھے مجبور کر دیا ——!"

وہ دیر تک ایسی ہی باتیں کرتی رہی پھر چند لمبی آہیں بھر کر اٹھ بیٹھی اور محسن کو ایک خط لکھنے لگی مگر خط تمام کر کے اس نے چاک کر ڈالا اور خود سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"تم کس بات کی صفائی دے رہی ہو؟ صرف اتنا کہ تو نے حق دختری ادا کرنے کیلئے اپنے ساتھ اس کو بھی زندگی کے چین سے محروم کر دیا" دوشیزہ کو مزید جواب لکھنے کے لئے الفاظ نہ مل سکے اور وہ پھر خیالات کے گرداب میں پھنس گئی تھی ——!

نہرہ ایک متحمل مزاج دوشیزہ تھی کسی کے سامنے وہ اپنا مضمحل وافسردہ نہ رہتی پھر بھی منصور اس کے تاثرات کا اعلان کر رہے تھے مگر وہ زبان بند کئے ہوئے تھے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں؟ بادل نخواستہ انھوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس دن بھی منصور نے اسی لئے اس کو بلا بھیجا تھا کہ اس کا بچا ر

معلوم کریں لیکن زہرہ نے ایک لفظ بھی ماں کی مرضی کے خلاف زبان سے نہ نکالا اور باپ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی آئی۔

رات میں وہ اسی مسئلہ پر غور کر رہی تھی کہ قدسیہ کو کیا ہو گیا ہے جو اس کے ساتھ اتنا ظلم کر رہی ہیں ایک ماں اپنی بیٹی کی دشمن تو نہیں ہو سکتی زہرہ ان نیک خو بیٹیوں میں تھی جو والدین کے خلاف کسی بدگمانی کو دل میں جگہ دینے کو بھی گناہ سمجھتی ہیں۔ اس نے قدسیہ کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہ کی اور مسلسل سوچتی رہی۔

خیال کا بہاؤ کسی منزل پر نہ پہنچا تھا کہ دروازے پر بہت آہستہ سے ایک کھٹکا ہوا اور زہرہ ادھر دیکھنے لگی۔

ایک مدت بعد پھر کسی نے کھٹکھٹایا اور زہرہ پوچھنے لگی۔

"کون صاحب ہیں ——؟"

جواب نہیں تیسری بار کھٹکا ہوا اور زہرہ نے اٹھ کر دروازے کی سنکنی اتاردی کیواڑ کھلتے ہی محسن اس کے سامنے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں زہرہ!"

زہرہ کی تشنہ آنکھیں محسن پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ نتھنے پھول رہے تھے اور ہونٹ متحرک تھے آخر امنڈتے ہوئے دل نے آنکھوں سے سیلاب اشک رواں کر دیا محسن پورے استقلال اور صبر کا ارادہ کر کے چلا تھا لیکن اس کو بھی طبیعت پر قابو نہ رہا اس کے ہاتھ پھیل گئے اور زہرہ نے اپنے کو اس کی آغوش میں دیدیا۔ جذبات کا ایک دھارا ایک جنون کی منزل تک پہنچ چکا تھا محسن کی گرفت بھی سخت ہو گئی اور دوسرے ہی لمحے دو دہکتے ہوئے ہونٹ ایک رخسار سے مل گئے۔ جوانی کے دیوانوں کا یہ فعل دلوں کی تسکین کے لئے عمل میں آیا تھا مگر محسن کو محسوس ہوا کہ جیسے اس کے دونوں ہونٹ جل گئے ہوں اور زہرہ پر تو بجلی

سی گر پڑی ۔ وہ وھک سے رہ گئی ۔ اس کے دماغ میں ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ سینکڑوں بجلیوں کی کڑک اور بادلوں کی گرج کی آوازیں کان میں آ رہی تھیں اور زہرہ کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پھٹ کر رہ جائے گی۔

محسن ایک سناٹے میں کھڑا رہ گیا تھا۔ زہرہ نے ایک گنا ہگار کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور کسی قدر درشت لہجہ میں کہہ گزری

"محسن تم یہاں کیوں آئے ہو ۔۔۔ کیا میری دوشیزگی کی لاج اور نسائیت کی آن کو بھینٹ لے لینا چاہتے ہو ۔۔۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے میں تمہارے لائق نہیں ہوں۔"

محسن اس سے پوچھنے آیا تھا کہ حمید سے اس کی شادی صرف والدین کی خوشی کیلئے ہو رہی ہے یا اس کی رضا بھی شامل ہے زہرہ کے آخری الفاظ نے اس کا جواب دے دیا تھا لہذا وہ پلٹ پڑا ۔۔۔ زہرہ پر ایک الوداعی نظر ڈالکر اس نے کہا۔

"یہ میری غلط فہمی تھی کہ میں تم کو اپنا سمجھتا تھا ۔۔۔ اب کبھی تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔"

بات پوری کر کے اس نے قدم اٹھا دیئے اور تیز تیز چلنے لگا ۔۔۔ زہرہ کئی منٹ تک اس کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر یکدم پکارنے لگی ۔ "محسن ۔۔۔ محسن ۔۔۔ سنو تو میرا منشاء وہ نہیں جو تم نے سمجھا ہے!"

محسن دور پہنچ چکا تھا اس نے اس کی آواز نہ سنی ۔۔۔ اس کے بجائے، کوٹھی کا پہرہ دار دوڑ پڑا اور "محسن، محسن،" کہہ کر بڑھتی ہوئی دوشیزہ کو ٹوک کر کہنے لگا

"یہ آپ کہاں جا رہی ہیں ۔۔۔ ؟"

محبت کی ماری دوشیزہ کو اس مداخلت پر ہوش سا آگیا۔ وہ بغیر کوئی جواب
دیئے پلیٹ پڑی اور کمرے میں پہنچ کر دھڑام سے گر پڑی۔

محسن کا قیاس تھا کہ حمید سے زہرہ کے رشتہ میں منصور کا ہاتھ ہوگا جس کی
تصدیق شاہد کی اس ہدایت سے ہوتی تھی جو انھوں نے زہرہ کے متعلق محسن کو
دی تھی — شاہد کا بیٹا ذاتی طور پر منصور سے کوئی شکایت نہ کر سکتا تھا لکاس
کے بجائے اپنی محرومی پر مفلسی اور غریبی کا رونا رو کر رہ جاتا۔ مگر غضب یہ ہو گیا
کہ محلسرا کی ایک خادمہ نے اس کو بتا دیا کہ یہ شادی خود زہرہ کی مرضی سے ہو رہی ہے
محسن اس نکتہ کو سمجھتا تھا کہ نسبت طے کرنے کا ذمہ دار کوئی بھی ہو۔ نتیجہ کے
اعتبار سے ایک ہی بات ہے اور اس کو بہر حال نامرادی کی زندگی گزارنا پڑے
گی پھر بھی اس کو ایک تجسس تھا اور یہ تجسس اس وقت سے بہت بڑھ گیا جب
سے اس نے دور سے زہرہ کی آنکھوں کو چھلکتے دیکھ لیا۔
سلمیٰ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس کے پاس کاٹتی تھی اور اس کی
قربت میں محسن کا دل کسی نہ کسی حد تک بہل جاتا تھا مگر اس نے اس کا اندازہ
کر لیا تھا کہ وہ زہرہ کو کبھی بھول نہیں سکتا اور نہ اس کی جگہ سلمیٰ یا کسی دوسری لڑکی
کو دے سکتا ہے۔
سلمیٰ نے صورت و سیرت کے لحاظ سے اس کی نگاہ میں ایک وقعت سی
حاصل کر لی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ اپنی ساری توجہ اس کی طرف منعطف کر

لیکن اس کی یہ کوشش اس وقت تک کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک زہرہ اس کے ذہن سے نکل نہ جاتی ——— اور ایک زہرہ کے خیال سے دور ہونا ممکن نہ تھا جبکہ وہ تھوڑے ہی فاصلہ سے موجود تھی اور محسن دن میں سو مرتبہ اس کا ذکر سنتا تھا۔

محسن و زہرہ کا ساتھ کوئی آج کا نہ تھا دونوں میں سے کسی سے پوچھا جاتا تو وہ بتا نہ سکتے کہ کب سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر ان کی باہمی رفاقت کا زمانہ بے شعوری کے دور سے اس وقت کا تھا اور اب ایکدم یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ زہرہ جمیدکی رفیقۂ حیات بنے گی اور محسن جس کو چاہے منتخب کر لے۔

محسن کیلئے یک و تنہا زندگی گزار دینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن زہرہ کو کسی اور کا بنتے دیکھنا بہت صبر آزما تھا اور وہ سوچتا تھا کہ کن آنکھوں سے اس کا ڈولا نکلتے دیکھے گا۔ ——؟

اس کا شمار کم ہمت نوجوانوں میں نہ تھا۔ مگر یہ آنی سخت آزمائش تھی جس میں پورا اتر سکنے کی اس میں سکت نہ تھی لہذا اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ لکھنؤ چھوڑ دے گا اور اس وقت تک واپس نہ ہوگا جب تک منصور کی بیٹی کو ازدواجی زندگی میں دیکھ کر خوش ہونے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔

اس کا ارادہ ابھی پختہ نہ ہوا تھا کہ زہرہ سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ اور اس کو خیال ہونے لگا۔

"زہرہ کو بھی شاید یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ مگر وہ کسی مجبوری کے سبب بول نہیں سکتی!"

محبوبہ کی بیقراری نے محسن کو اور بیقرار کر دیا اور رات کی تاریکی میں اس کے قدم زہرہ کے کمرے کی طرف اٹھ گئے۔

زہرہ نے شروع میں جس جذبۂ محبت کا مظاہرہ کیا تھا۔ آخری الفاظ اس کی

تردید نہ کر دیتے تو محسن کو اتنی ہی تسکین رہتی کہ مقدر نے اس کو دھوکا دیا ورنہ زہرہ اسی کی تھی ــــــ اور بہت ممکن تھا کہ یہ تسکین ایک مستقل دل جمعی کی شکل میں باقی رہتی اور محسن اس کے سہارے زندہ رہ جاتا۔

زہرہ خود بھی یہ چاہتی تھی کہ اپنی بے بسی کا اظہار محسن پر کر دیتی۔ لیکن اتفاق کی ستم ظریفی سے شروع میں تو وہ وفورِ جذبات سے اتنی بے قابو ہو گئی کہ اُس نے اپنے آپ کو تمناؤں کے حوالے کر دیا مگر جب بے اختیاری میں محسن کی طرف سے محبت کی پہلی مہر ثبت ہو گئی تو کنوارپنے کی شرم اور کسی دوسرے کی امانت ہونے کے احساس نے اس کو شانہ ہلا کر جھنجھوڑ دیا اور اس نے اپنی اضطرابیت کا ذمہ دار محسن کو ٹھہرا دیا۔

ایک تھوڑی بیداری اور شدتِ احساس میں بعض نازیبا الفاظ اس کے منہ سے نکل گئے اور محسن کا دل ٹوٹ گیا۔

خود فریبی کے لئے وہ اکثر اپنے کو سمجھا لیتا تھا کہ مشرق کی کنواریاں بالکل کٹھ پُتلی جیسی ہوتی ہیں۔ جس طرف اُن کو نچا دیا جاتا ہے اُدھر چلی جاتی ہیں۔ اب زہرہ کی بابت کوئی ایسا لفظ کہنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ اس نے محسن کو کھڑے کھڑے اپنے کمرے سے نکال دیا تھا۔ اور محسن کی رہی سہی قیمت خود اس کی نگاہ سے گرا دی تھی۔

محسن ایک باہمت اور اولوالعزم نوجوان تھا۔ زندگی کی تلخیوں سے گھبرا کر جان دیدینے کو وہ انسانیت کی توہین قرار دیتا۔ لیکن زہرہ نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا تھا اس کو وہ برداشت نہ کر سکا اور دیوانوں کی طرح لمبے لمبے ڈگ رکھتا ہوا منصور کی کوٹھی سے نکل گیا۔

کچھ دنوں قبل محسن سے دریافت کیا جاتا کہ اس کا مقصدِ حیات کیا ہے تو وہ زہرہ اور شاہد کا نام لے دیتا کہ ان دو ذاتوں کے لئے زندہ ہے۔ ان میں سے ایک ذات نے اس کو بتا دیا تھا کہ اس کی زندگی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ محسن کی خودداری اس ذلت کی تاب نہ

لا رہی تھی۔ زہرہ کے بجائے کوئی اور ہوتا تو وہ اس سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتا۔ لیکن زہرہ کے لئے ایسے تصوّر کا بھی امکان نہ تھا۔ لہٰذا اس نے خود اپنے سے انتقام لینے کا عزم کر لیا۔

پندرہ سولہ سال کی عملی زندگی میں اس کی خوشی اور رنج کا انحصار زہرہ کے رنجیدہ یا خوش ہونے پر رہا تھا۔ گویا زہرہ ہی اس کی زندگی تھی ۔۔۔ آج خود زندگی نے اس کے جسم سے اپنا ناطہ توڑ لیا تھا۔ اس لئے وہ سوچنے لگا کہ اس بیکار جسم کو باقی رکھنے کا حاصل کیا ہوگا ؟

ایک خیال دماغ میں قائم ہو کر لحہ بہ لحہ جکڑ پکڑتا گیا اور اس نے ایک عزمِ محکم کی صورت اختیار کر لی۔

کوٹھی سے باہر نکلتے وقت اس کا کوئی خاص پروگرام نہ تھا اور وہ ایک جوشِ جنون میں چلا آیا تھا۔ لیکن اب ناقابلِ برداشت صدموں سے چھٹکارا پانے کا ایک راستہ دکھائی پڑ گیا تھا۔ اس لئے وہ اس پر چل پڑا۔ اور موسیٰ باغ کی طرف قدم اٹھاتے اٹھاتے اس کا رُخ گومتی کی طرف گھوم گیا۔

لکھنؤ کی اس کنواری ندی نے کتنی ہی دوشیزاؤں کے اچھوتے ہونے کا بھرم رکھا تھا۔ آج ایک کنوارا نوجوان اس کی گود میں پناہ لینے کو جا رہا تھا۔ مگر اس کو خدشہ تھا کہ کہیں گومتی بھی زہرہ کی طرح ہم آغوش ہونے سے برہم نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ بھی کسی دنیا کی ماں نہیں بنی ہے۔

دریا کے کنارے پہنچنے تک اس کا یہ خدشہ دُور نہ ہو سکا۔ مگر جیسے ہی اس نے پانی پر نگاہیں جمائیں۔ گومتی کی آواز اس کے کان میں پڑی جو کہہ رہی تھی۔

" ڈرتے کیوں ہو، باہمت نوجوان، آؤ میرا دامن تمہارے لئے کشادہ ہے میں زندگی کے تھکے ہارے مسافروں کو موت کی لوری دے کر سلاتی ہوں، تم نے بھی

دائمی چین کی ضرورت محسوس کی تو مجھ کو ماں سے زیادہ شفیق پاؤ گے ۔۔۔ !"

سلمیٰ ایک کھاتے پیتے اور ذی عزّت گھر کی لڑکی تھی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے فائنل کا امتحان دے کر لکھنؤ آئی تھی۔ اس لحاظ سے اس کا شمار پڑھی لکھی لڑکیوں میں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہ اپنی ڈگری سے زیادہ علم رکھتی تھی۔ اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور معلومات توقع سے زائد تھیں۔

خصوصیت کے ساتھ وہ انگریزی بہت روانی سے بولتی تھی اور سوسائٹی کے ایٹیکیٹ سے تو اس قدر واقفیت رکھتی تھی کہ بڑے بڑے چرب زبانوں کو ٹوک دیتی تھی۔ یہی سبب تھا جو حمید اس کی نگاہ میں کوئی جگہ نہ پاسکا تھا۔ کیونکہ ایک اچھے شوہر کے لئے جو معیار سلمیٰ نے قائم کیا تھا، حمید اس پر پورا نہ اترتا تھا اور سلمیٰ اپنے معیار میں کوئی تبدیلی یا کمی کرنے پر تیار نہ تھی۔

قدرت نے اس کو حسن صورت سے نوازنے میں پوری فیاضی سے کام لیا تھا۔ وہ بلاشبہ حسین تھی۔ اتنی حسین کہ نگاہ اس پر جم کر ہٹنے کا نام نہ لے۔ لیکن دراصل اس کے چہرے کی موجودہ دلکشی اور نگاہوں کی ہوشربائی میں بہت کچھ بناؤ سنگار کو دخل تھا۔ ۔۔۔ سلمیٰ کو معلوم تھا کہ نوجوان کیسے گھائل کیا جاتا ہے اور دلوں کو کس طرح لبھایا جاتا ہے ؟

اس نے کلکتہ میں ایک نظر اٹھنا کے کتنے ہی امیدوار چھوڑے تھے اور لکھنؤ میں بھی اس کو امید تھی کہ محسن کی کیا لسا ط ہے جو بچ کر نکل جائے ۔ مگر اس کو سخت

مایوسی ہوئی۔ جب اس بے حس نوجوان نے ہر ہیجان انگیز ادا کا جواب انداز شرافت سے دیا۔ بات یہ تھی کہ محسن آج کل کے نوجوانوں کی طرح ہوس کا بندہ اور نفس کا غلام نہ تھا۔ وہ محبت برائے محبت کا قائل تھا اور اس کے لئے زہرہ پہلے ہی سے ایک مستقل جگہ حاصل کر چکی تھی۔ اس لئے سلمیٰ کی جانب اس کے مائل ہونے کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہا تھا۔

سلمیٰ ایک ضدی طبیعت کی لڑکی تھی اور محسن کی بے توجہی نے اس کی آتش محبت کو بھڑکا دیا تھا۔ لہٰذا اس نے ہر قیمت پر محسن سے ایک سودا کرنے کا عزم کر لیا اور نسائیت اور دوشیزگی کو بھی بازی پر لگا دیا۔

اس کو سلمیٰ کی قسمت کہنا چاہیئے کہ قمر بیگ کی مصلحت نے زہرہ کو جمید سے منسلک ہونے پر مجبور کر دیا اور سلمیٰ کو ایک جدوجہد کے لئے میدان صاف مل گیا۔

سلمیٰ کو محسن کے لئے اتنی جانفشانی قابلِ برداشت نہ تھی مگر دن اس کو کسی فرضِ ناگوار کی طرح برداشت کرتی رہی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ان دنوں وہ محسن کی تنہا غمخوار رہ گئی تھی اور اس کی موجودگی محسن پر بار نہ ہوتی تھی۔

محسن کے زہرہ کے کمرے کی طرف جانے سے تھوڑی دیر قبل وہ اس کے پاس سے اٹھ کر آئی تھی اور پلنگ پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی کہ پہلے ریاض کی آواز کان میں پڑی جو "محسن محسن" چلا رہی تھی۔ پھر چوکیدار کے دوڑنے کی آہٹ ملی اور سلمیٰ گھبرا کر باہر نکلی۔

زہرہ اپنے کمرے میں داخل ہو رہی اور چوکیدار سامنے کھڑا تھا۔ سلمیٰ بسرعت چوکیدار کے پاس پہنچ گئی۔ اور اس سے واقعہ پوچھنے لگی۔ جس نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بتا دیا کہ محسن اس طرف کو گیا ہے۔ زہرہ اسی کو آواز دے رہی تھی۔

سلمیٰ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکی تھی۔ پھر بھی اس نے محسن کے لئے ایک خطرے کا

احساس کیا اور بتائے ہوئے رُخ پر چلنے لگی۔

رات کی تاریکی میں دُور کا آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ تاہم بنگالی دوشیزہ کو کافی فاصلہ سے ایک سایہ متحرک نظر آگیا اور وہ اس کو پا جانے کی کوشش کرنے لگی۔

سلمٰی کافی تیز چل رہی تھی اور محسن ایک اوسط رفتار سے جا رہا تھا۔ پھر بھی عورت و مرد کی چال میں بڑا فرق ہوتا تھا۔ ان کی درمیانی دُوری کم نہ ہو سکی اور محسن دریا کے کنارے پہنچ گیا۔

سلمٰی نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک مرد کو عورت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اس کا دل لہریں لیتی ہوئی گومتی کے ساتھ محسن کا تصور کرنے سے بیٹھنے لگا اور انتہائی بیقراری میں اُس نے پوری رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔

سلمٰی کے مقدر نے محسن کو منصور کی کنواری بیٹی سے چھینا تھا۔ اب ایک کنواری ندی کی کشش اس کو اپنی جانب کھینچے لے جا رہی تھی۔ لہٰذا سلمٰی کا دل وسوسوں میں گھر گیا کہ کہیں وہ گومتی کے ہاتھوں مات نہ کھائے اور گومتی اس سے اپنی ایک ہموطن دوشیزہ زُہرہ کا عوض نہ لے لے۔

میل سوا میل کی مسافت میں وہ کافی تھک چکی تھی مگر جذبِ صادق اور فرطِ اضطراب میں اتنی تیزی سے دوڑی کہ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گر پڑی ــــ اس نے اب تک عنقضائے احتیاط محسن کو آواز نہ دی تھی کہ مبادا وہ مشتبہ ہو کر تیز نکل نہ جائے لیکن اب اُس سے رہا نہ گیا اور وہ چلّا اٹھی۔

"محسن! ٹھہرو، میں بھی آ رہی ہوں۔"

شب کے تاریک سنّاٹے نے اس کی آواز کو دور تک پہنچا دیا اور محسن نے بھی سنا کہ کوئی اس کو پکار رہا ہے ــــ مگر اُس نے کوئی توجہ نہ کی کیونکہ وہ گومتی سے مخاطب ہو چکا تھا اور پوچھ رہا تھا۔

"کیا تم میرے سے ایک بدنصیب کو اپنے دامن میں جگہ دو گی جس کے لئے زمین تنگ اور آسمان دور ہے۔"

گومتی نے کوئی جواب دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر محسن کو محسوس ہوا کہ اس کی لہریں محسن کی جانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی ہیں اور ستاروں کی روشنی میں اس طرح اچھل کود رہی ہیں جیسے اُس کے آنے کی خوشیاں منا رہی ہوں — جبکہ اور مدھم ہوا کی رو میں ایک لہر اُس کی طرف بڑھی اور ساحل سے ٹکرا کر رہ گئی ہے۔

محسن نے اس کو اپنا خیر مقدم قرار دیا۔ ایک اندازِ تشکر سے دریا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"اچھا خدا حافظ زُہرہ — مجھ کو یقین ہے کہ میرے بعد تم کو اپنی روش پر پچھتاوا ہوگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ تمہاری خوبصورت آنکھیں میرے غم میں بھیگ بھی جائیں — لیکن زُہرہ تم رونا نہیں۔ بلکہ اگر تمہیں کچھ احساسِ پشیمانی ہو تو اس کا اجر مجھے یہ دینا کہ میرے بوڑھے باپ کی خبر گیری کرتی رہنا!"

خیال ہی خیال میں اس نے شاہد کو پچھاڑیں کھاتے دیکھا اور اس کے منہ سے نکل گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے بڑھاپے کا سہارا نہ بن سکا۔ مگر اس کی ذمہ داری آپ کے مالک کی خوبصورت بیٹی اور خود آپ ہی پر ہے۔!"

زہرہ و شاہد کی تصویریں اس کو حصار میں لئے تھیں اور اس کے عزم میں ایک کمزوری پیدا ہو رہی تھی کہ ایک آواز کان میں پڑی۔

"محسن — محسن، ذرا ٹھہر جاؤ، میں بھی آ رہی ہوں!"

"دِلّگی معلوم ہوتی ہے —" اس نے زیرِ لب کہا۔ پھر وہ ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ "وہ آگئی تو میں اپنے ارادے پر عمل نہ کر سکوں گا۔"

اس کا سر جھک گیا۔ ایک لحظہ بعد اس نے گردن اُوپر اُٹھائی تو آنکھوں سے ایک عزم جھلک رہا تھا — ایکبار اس نے جانبِ آسمان دیکھا۔ پھر دریا پر ایک نگاہ ڈالی اور دوسرے لمحہ میں ایک چھپاکے کے ساتھ اُس کا جسم پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔

سلمٰی اُٹھ کر دوڑتی تھی اور دوڑ دوڑ کر گر پڑتی تھی۔ لیکن وہ ایک مسلسل جذبہ کے نتیجہ میں ساحل تک پہنچ گئی اور چہار طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا — وہاں کہیں محسن کا پتہ نہ تھا۔

سلمٰی پہلے ہی کچھ کم گھبرائی نہ تھی محسن کے نظر نہ آنے پر اور زیادہ گھبرا گئی اور چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگی۔

"محسن — محسن — کہاں ہو تم ؟"

کئی بار اس نے اس آواز کو دہرایا اور خود اپنی آواز بازگشت کو سن کر خاموش ہو گئی — کہ اچانک اس کی نظر منجدھار میں اُبھرے ڈوبتے ہوئے ایک جاندار پر پڑی اور اس نے یقین کر لیا کہ وہ نامراد محسن ہی ہوگا۔

سلمٰی ایک اچھی نشانہ باز اور بہترین تیراک بھی تھی۔ اس نے ممکن عجلت کے ساتھ ساری جسم سے علیحدہ کی اور محسن کے پھاندنے کے کوئی پانچ منٹ بعد گومتی میں کود پڑی۔

وقت ایک تسلسل سے تیز چلنے اور دوڑتے رہنے کے باعث اس کا دم پھول رہا تھا اور وہ فوری طور پر کسی طرح تیرنے کے قابل نہ تھی لیکن وقت اتنا نازک تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جا سکتا تھا اس لیے اس نے اپنی حالت کا لحاظ کیے بغیر چھلانگ لگا دی اور کسی مچھلی کی طرح پانی کو چیرتی ہوئی بڑھنے لگی۔

اس کو اپنی حالت سے یقین نہ تھا کہ وہ محسن کو بچا لینے میں کامیاب ہو سکے گی

ایک عورت کا جذبۂ فداکاری اس میں پوری طرح بیدار ہو چکا تھا اس نے بھی
عزم کر لیا کہ ہاتھوں پیروں نے ساتھ دیا تو کم از کم اس کا انجام تو محسن کے ساتھ
ہو ہی جائے گا اور وہ اس کے گلے میں باہیں ڈال کر موت کی آغوش میں سو سکے گی۔

اکہرے بدن اور نازک پیروں کی لڑکی تیر کی طرح اس جگہ تک پہنچ گئی
جہاں محسن پچھلی دفعہ ابھرا تھا ——— اس کے بعد جو مرحلہ درپیش ہونے والا تھا۔
وہ کافی طاقت اور ہمت چاہتا تھا ——— سلمیٰ میں ہمت کی تو کوئی کمی نہ تھی مگر
قوت جواب دے چکی تھی اور نہ پانی پر ٹھہری ہوئی الٹی سیدھی سانسیں ابھر
رہی تھی۔

بنگال کی زہرہ جمال دوشیزہ کو ساری زندگی دلوں کو مضطرب کرنے کے سوا
کوئی کام ہی کیا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ مشکلات سے کس طرح
کھیلا جاتا ہے۔ لیکن اس کو محبت کے اعجاز کے سوا اور کچھ کہا نہیں جا سکتا
کہ وقت پڑنے پر اس نے جوانمردوں کے ثبات قدم اور استقلال کو پیچھے چھوڑ دیا اور
ہانپتی کانپتی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

محسن کافی پانی پی چکا تھا اور ہاتھ پیر مارتے مارتے بیہوش ہو جانے
کے قریب تھا کیونکہ اس کا جسم کافی بوجھل ہو گیا تھا پھر بھی وہ آخری جدوجہد
کے طور پر جیسے ہی ڈوب کر ابھرا سلمیٰ نے اس کو پکڑ لیا اور دھارے کے رخ پر
ایک زاویے سے کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔

محسن ایک تندرست نوجوان تھا اور گھڑا ڈیڑھ گھڑا پانی بھی اس کے پیٹ
میں پہنچ گیا تھا جس سے اس کا وزن دونا ہو گیا تھا وہ پوری طرح بیہوش
نہ ہوا تھا۔ اس لئے سلمیٰ نے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑا اس نے ہوش میں آ جانے
کی کوشش کی اور آنکھیں کھول دیں۔

سلمیٰ کا بھیگا ہوا جسم اس سے ہم وصل ہو رہا تھا محسن نے اس کے جسم

پر نظر ڈالی اور نہایت نحیف آواز میں بولا

"تم نے ناحق مجھے بچا لیا، سلمیٰ۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔"

اس کی قوت جواب دیتی جا رہی تھی۔ بات پوری کرنے سے قبل ہی وہ بیہوش ہو گیا اور اس کا بوجھ سلمیٰ پر آ پڑا۔

محسن تانبک کے جسے میں پہلے ہی سے ایک کپکپی پڑی ہوئی تھی۔ کئی من کا وزن سنبھالنا اس کے لئے ممکن نہ ہوا اور سلمیٰ خود محسن کے ساتھ دھارے کے رخ پر بہنے لگی۔

وہ ایک مشاق تیرنے والی تھی۔ تھوڑی دیر اس نے آخری بار سنبھلنے کی کوشش کی لیکن جسم کی طاقت ساتھ چھوڑ چکی تھی نہ ہاتھ پیر مار کر تھک گئی اور پھر اس میں اتنی بھی سکت نہ رہی کہ بہتے ہوئے پانی پر کوئی زور کر سکتی۔

محسن نصف شب کے قریب منصور کی کوٹھی سے چلا تھا اور گھنٹہ ڈیڑھ دریا تک پہنچنے میں لگا تھا۔ اس طرح تقریباً دو کا عمل تھا جب سلمیٰ نے ایک یاس کے عالم میں چہار رخ دیکھا اور ہو مارتے ہوئے ساحل پر دور تک کسی متنفس کو نہ پا کر ایک ہاتھ محسن کی گردن میں حمائل کر دیا۔

انسان کتنا ہی شکستہ دل کیسے ہی مایوس کن حالات میں کیوں نہ ہو مگر جان اتنی پیاری ہوتی ہے کہ وہ آسانی سے دی نہیں جا سکتی۔ چنانچہ سلمیٰ کو بھی اس طرح ڈوبنے کا بہت افسوس تھا لیکن بچنے کے تمام امکان ختم ہو چکے تھے اس لئے اس نے منہ بیہوش محسن کے منہ پر رکھ دیا اور خیال ہی خیال میں کہنے لگی۔

"تم آخر مجھے بھی ساتھ لے ڈوبے لیکن مجھ کو اس کا غم نہیں ہے کیونکہ میں نے تم کو مرنے سے قبل پا لیا ہے اور اب تم ہمیشہ کیلئے میرے ہو ——"

اس کے ہاتھ کی گرفت اور مضبوط ہو گئی اور محسن کی ہم آغوشی نے اتنا سرور پہنچایا کہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

زہرہ کمرے میں پہنچ کر کئی منٹ تک زار و قطار روتی رہی۔ پھر اچانک اس کو خیال آگیا۔

"محسن میرے الفاظ سے ایک غلط فہمی میں پڑ گیا ہے۔ اس کو شاید یہ معلوم نہیں کہ مجھ کو کیا مجبوریاں درپیش ہیں۔ کہیں وہ مایوس ہو کر جان نہ دیدے۔"

وہ سب کچھ جھیل سکتی تھی لیکن محسن کے متعلق ایسے تصوّر کو بھی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ اس کا محل پیدا ہوتا تو اس کے بجائے خود اپنی جان کی پیش کش کر دیتی۔

والدین کی عزّت اور فرض شناسی کی لاج نے بہت روکا مگر جذبۂ محبت نے ایک کو ہیچ قرار دے دیا اور زہرہ ایک جنونانہ اضطرابی کیفیت میں باہر نکل آئی۔ چوکیدار منصور کے پکارنے پر اس کے کمرے کی طرف بھاگ چکا تھا۔ وہ اس سے محسن کے جانے کی سمت پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن پوچھ نہ سکی اور خود ہی کوئی رائے قائم کرنے کے لئے پھاٹک پر پہنچ گئی۔

محسن کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ وہ اس کو نظر نہ آسکا۔ اس کے بجائے قدرے فاصلہ سے ایک دوسرا سایہ اس کو دکھائی پڑ گیا جس کو اس نے محسن سمجھ لیا اور اس کا تعاقب کرنے لگی ـــــ یہ سایہ سلمیٰ کا تھا جو بہت تیز بھاگ رہی تھی اور

لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

زہرہ کو اپنے گھر سے نکلنے کی اہمیت کا احساس تھا۔ اس لئے وہ چاہتی تھی کہ کسی کو خبر ہوئے بغیر محسن کو پا لیتی اور اس کو سمجھا بجھا کر الٹے قدم واپس ہو جاتی یہی سبب تھا جو وہ ایک آواز بھی منھ سے نہ نکال سکی بلکہ ممکن تیز روی سے چلتی رہی۔

وہ ایک فرلانگ سے زیادہ نہ جا سکی ہوگی کہ منصور کا موٹر قریب پہنچ کر رُک گیا اور حمید و منصور اس سے اُتر پڑے جنھوں نے موٹر کی لائٹ میں اس کو دیکھ لیا تھا۔ وہ روشنی سے تھوڑے فاصلہ پر تھی اس لئے پہچانی نہ جا سکی پھر بھی منصور اس کو آواز دینے لگے۔

"یہ کون جا رہا ہے ذرا ٹھہر جاؤ۔"

منصور و حمید کے کمرے زہرہ کے کمرے سے قریب تھے وہ دونوں زہرہ اور چوکیدار کی آوازوں پر بیدار ہو گئے تھے اور منصور نے چوکیدار کو حال پوچھنے کے لئے پکار لیا تھا جس نے بے کم و کاست سب کچھ بیان کر دیا تھا اور منصور اسی وقت موٹر میں چل پڑے تھے کیونکہ زہرہ کا کمرہ اُن کو خالی ملا تھا اور انہوں نے یہ رائے قائم کر لی تھی کہ لڑکی بھی محسن کے پیچھے نکل گئی۔

زہرہ باپ کی آواز پر ایک کشمکش و پیچ میں پڑ گئی۔ مگر اس نے بھاگنا بے سود سمجھا کہ وہ کتنا ہی تیز دوڑتی لیکن پکڑ لی جاتی۔

منصور نے نزدیک پہنچتے ہی اس کو شناخت کر لیا اور غصے میں گرج کر کہنے لگے۔

"تو کہاں جا رہی ہے بے حیا؟"

"محسن کو بچانے کے لئے، جو دریا کی طرف ڈوب مرنے کو گیا ہے۔" زہرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک طرف ہاتھ اُٹھا کر بتایا اور حالات کی نزاکت

نے منصور کے غصّہ کو فرو کر دیا۔ وہ جیپ ڈرائیور سمیت تبائے ہوئے رُخ پہ چل پڑے اور زہرہ کچھ مطمئن ہو کر ان کے عقب میں قدم اُٹھانے لگی۔

منصور کی کوٹھی کا واقعہ عین اُسی وقت عمل میں آیا تھا۔ جب ہر متنفس گہری نیند سو رہا تھا۔ مگر مسلسل ہلچل نے ہر ایک کو بیدار کر دیا۔ اور شاہد کو بھی باہر پہنچتے ہی معلوم ہو گیا کہ محسن کہیں چلا گیا اور اس کے بعد زہرہ بھی غائب ہو گئی۔

شاہد پر اس خبر سے ایک بجلی سی گر پڑی۔ مختلف اندیشوں نے اُن کو گھیر لیا۔ اور کسی خاص خدشے کے یقین پر ایک چکر سا آنے لگا۔ ایک لحظہ تک وہ سر پکڑے کھڑے رہے پھر انہوں نے منصور کو پوچھا اور ان کے جانے کا حال معلوم کر کے خود بھی روانہ ہو گئے۔

کوٹھی سے برآمدگی کے وقت تک جس طرح اُن کے پیشروؤں کا راستہ معین نہ تھا اسی طرح وہ باہر نکلے۔ لیکن پہلے منہ در کے موڑ نے اُن کی رہبری کی پھر کئی نفوس کی آوازوں نے راستہ دکھا دیا اور وہ بھی اسی رُخ پہ روانہ ہو گئے۔ جس پر اُن کے پارۂ جگر نے اس زندگی کا آخری سفر طے کیا تھا۔

منصور واقعہ کی نوعیت پر بہت مشتعل تھے اور اس کو اپنی سخت توہین قرار دیتے تھے۔ اُن کو محسن اور زہرہ دونوں پہ بہت غصّہ تھا۔ مگر محسن کی زندگی خطرے میں ہونے کی خبر سے وہ نرم پڑ گئے تھے اور اُن کو محسن کو بچا لینے کی فکر دامن گیر ہو گئی تھی۔ لہٰذا بوڑھے ہونے کے باوجود بہت تیز جا رہے تھے اور جمید ڈرائیور کو آگے نکل جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔

انہوں نے بہت کوشش کی پھر بھی وقت پر نہ پہنچ سکے اور جب ساحلِ دریا پہ قدم رکھا تو دور دور تک کوئی نظر نہ آیا ــــ منصور کی آنکھیں پیرانہ سالی کے باعث صرف نزدیک کی چیز دیکھ سکتی تھیں۔ اس لئے انہوں ڈرائیور جمید کو نگاہ

دوڑانے کی ہدایت کی اور ڈرائیور نے کچھ فاصلہ سے کسی چیز کو متحرک دیکھ لیا۔
اس نے فوراً منصور کو اطلاع کی اور منصور نے اس کو اور حمید کو دوڑا دیا
حمید ایک اچھا تیراک تھا لیکن اس کو محسن سے کچھ ایسی عداوت ہو گئی تھی کہ
اوّل تو اس نے وہاں تک پہنچنے میں تاخیر کی اور پہنچ بھی گیا تو کپڑے اُتارنے میں
وقت ضائع کرنے لگا ــــ ڈرائیور نے البتہ چستی سے کام لیا اور امکانی عجلت
سے دریا میں پھاند پڑا۔

سلمیٰ پر یاس و ہراس کی کیفیت میں غشی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ مگر
تیراکی کی عادی ہونے کے سبب اس کا وزن پانی پر قائم تھا اور وہ اپنے ساتھ بیہوش
محسن کو بھی سنبھالے ہوئے تھے ــــ اس کے خیال میں زندگیوں کے انجام پر پہنچنے
میں چند ہی لمحات کی دیر تھی کہ منصور کی آواز کان میں پڑی جو پکار رہے تھے
"گھبرانا نہ محسن میں آ گیا۔"

محسن کو تو دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی البتہ سلمیٰ کے جسم میں اس آواز نے
ایک رُوح پھونک دی اور اس کو محسوس ہوا کہ جیسے مُردہ رگوں میں زندگی کی
لہر دوڑ گئی ہو وہ ایکدم دھارے کے زور کو توڑنے پر آمادہ ہو گئی اور ڈرائیور
کی آواز تو بڑا ہی سہارا بن گئی۔ اس نے ایک قوت مدافعت کی تخلیق کر دی اور سلمیٰ
ایک ادھ میں بہتے بہتے ٹھہرنے لگی۔

ڈرائیور کو اس کے وہاں موجود ہونے کا گمان بھی نہ تھا۔ وہ متحیر رہ گیا۔ پھر
بھی اس نے کسی استعجاب کا مظاہرہ کرنے کے بجائے محسن کو اس کے ہاتھ سے لیا اور
سلمیٰ یکایک ہلکے پڑ جانے کے سبب کچھ دور بہتی چلی گئی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو روکا اور
کنارے سے قریب پہنچنے لگی۔

ڈرائیور بالکل ترو تازہ اور مردانہ تھا۔ وہ محسن کو لئے ہوئے جلد ساحل

بخار ہونے لگا اور حمید سے چیخ کر کہنے لگا۔

"سلمٰی کو سنبھالو — !"

"سلمٰی !— کہاں ہے وہ ؟" حمید نے دریافت کیا اور سلمٰی نے دور سے نحیف آواز میں جواب دیا

"مجھے کسی امداد کی ضرورت نہیں۔"

اس کے بعد وہ دیر تک بولنے کے قابل نہ ہو سکی اور بالکل بیدم ہو کر ریت پہ پڑ گئی۔

منصور کنارے پر محسن کو سہارا دینے کے لئے موجود تھے انہوں نے ڈرائیور کی اعانت سے اس کو اوپر پہنچا دیا اور پیٹ کا پانی نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔

محسن کافی دیر تک دریا میں رہا تھا اور آہستہ آہستہ بہت سا پانی پی گیا اس کا پیٹ پھول گیا تھا اور سانس باد کا المنظر میں رُک گئی تھی۔

پیٹ کا پانی نکلنے تک تو منصور ایک امید و بیم میں کھڑے رہے مگر جب اس کے بعد جسم میں حرارت پیدا نہ ہوئی اور سانس کی آمد و شد کا پتہ نہ چل سکا تو اُن کو اس کی زندگی سے مایوسی ہو گئی اور اُن کے آنسو بہنے لگے۔

عین اُسی وقت زہرہ بھی پہنچ گئی۔ اُس نے ایکبار زمین پر پڑے ہوئے محسن پر نظر ڈالی پھر منصور کے بہتے ہوئے اشکوں کو دیکھا اور نہایت کرب میں چیخ پڑی۔

"وہ مر گیا — میرا محسن مر گیا۔"

عورت کی محبت نے ایک دیوانگی کی شکل اختیار کر لی اور وہ کسی کا لحاظ کئے بغیر دوڑ کر محسن پر گر پڑی۔

محسن نے ایک مرتبہ اس کو آغوش میں لے لیا تھا تو وہ اس قدر بگڑ گئی تھی

کہ محسن کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ آج اس نے انہوں اور غیروں کے سامنے اُس کی تلافی کر دی۔ دونوں ہاتھ اُس کے گرد حمائل کر دیئے اور منہ اُس کے منہ پہ رکھ کر بین کرنے لگی۔

"تم مجھ کو چھوڑ کر چلے گئے — یہ بھی نہ سوچا کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گی — خیر میں تم کو زیادہ دیر منتظر نہ رکھوں گی۔ جلد ہی تمہارے پاس آؤں گی۔"

"ارے یہ کیا کرتی ہو زہرہ — محسن تمہارا بھائی ہے۔ مجھ کو اپنی ماں کی روح سے شرمندہ نہ کرو —" ایک نہایت دردناک آواز دریا کے چھوڑ ان میں گونجی جو شاہد کی تھی اور جن کو ریاض کی طرح محسن کے مر چکنے کا یقین ہو چکا تھا۔

منصور و زہرہ نے اس آواز پر چونک کر ادھر دیکھا تو شاہد ایک ناقابل برداشت صدمے کی تاب نہ لا کر زمین پر گر چکے تھے —

زہرہ اس عجیب و غریب انکشاف پر ایک سکتے میں پڑ گئی۔ بہتا ہوا سیلاب اشک اک دم تھم گیا۔ اور وہ اک ایسی نگاہ سے منصور کی طرف دیکھنے لگی جس میں ہزاروں سوالات چھپے ہوئے تھے — منصور کی کیفیت بالکل اُسی جیسی تھی تاہم انہوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور دوڑ کر شاہد کے قریب پہنچ گئے۔

اس اثنا میں سلمیٰ جمیلہ کے سہارے وہاں آ پہنچی وہ زہرہ کے نالہ و شیون سے ایک رائے قائم کر کے محسن کی میت پر رونے کیلئے آئی تھی۔ لیکن اس نے اندھی تقلید میں اچانک پچھاڑیں کھانا نہیں شروع کر دیں۔ بلکہ زہرہ کو محسن سے علیحدہ کر کے ناک اور سینے پر ہاتھ رکھ کر زندگی کی علامات کا اندازہ کرنے لگی۔

یہ زہرہ کے جذبہ محبت کی کرامت ہو یا سلمیٰ کے مقدر کا کرشمہ کہ محسن کا جسم گرم پایا گیا۔ سلمیٰ نے اپنی انگلیوں سے ہلکی سی سانس کا احساس کیا اور بہت آہستہ آہستہ

اس کے سینے اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

منصور، شاہد کو دیکھ کر ایک اطمینان کر چکے تھے کہ ان کا دماغ غیر معمولی رنج کی تاب نہ لا کر معطل ہو گیا ہے اور فوری میڈیکل امداد سودمند ہو سکتی ہے لہٰذا انہوں نے ڈرائیور کو کوٹھی کی طرف روانہ کر دیا کہ وہاں سے آٹھ دس آدمیوں کو بھیجد ے اور کسی ڈاکٹر کو بلا رکھے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ محسن کے پاس آ گئے۔ اس وقفہ میں اس کی حالت نسبتاً بہتر ہو گئی تھی انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر ایک اطمینان کی سانس لی اور کسی ساکت وصامت مجسّمے کی طرح کھڑے رہ گئے۔

ان کا دماغ صحیفۂ ماضی کے ورق اُلٹ رہا تھا اور وہ قدسیہ و شاہد کو محلسرا سے نینی تال کی وادیوں تک ایک تعمیری سازش کرتے دیکھ رہے تھے۔ ان لمحات کے اندر ان کو وہ منظر بھی دکھائی پڑ گیا۔ جب شاہد کی بیوی نینی تال میں ایک بچّی کی ماں بنی اور اس کو قدسیہ کی گود میں پہنچا دیا گیا۔

شاہد کی لڑکی کہنے کے لئے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی۔ لیکن اُس نے آواگون کے چکر میں پھنسے بغیر "بنتِ منصور" کا قالب اختیار کر لیا اور قدسیہ نے اس کا نام زہرہ جمال رکھ دیا۔

منصور شاہد کے چند لفظوں سے سب کچھ سمجھ گئے تھے انھیں ان مشکلات کا احساس بھی ہو گیا تھا جو قدسیہ و شاہد کو زہرہ و محسن کی باہمی محبّت دیکھ کر درپیش ہوئی تھیں اور جن میں ان دونوں نے اُن کی شادی کی مخالفت کی تھی۔ شاہد کے وہ تاثرات بھی اُن سے چھپے نہ رہے تھے۔ جو بہن بھائی کے جنسی میلان پر ایک باپ کے دل میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

سوچتے سوچتے منصور کی نظر ریت پر پڑے ہوئے شاہد کی طرف اُٹھی پھر زہرہ

پڑا کر جم گئی اور ایک آواز اُن کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نکلنے لگی۔

"میں اپنی بیٹی کو اُس کے بھائی کی نئی زندگی پر مبارکباد دیتا ہوں ۔۔ !"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟" زہرہ تقریباً چیخ پڑی اور شاہد کے الفاظ اُس کے دماغ میں گونجنے لگے ۔۔۔ منصور ایک لحظہ تک اُس کی طرف دیکھتے رہے پھر نہایت سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ صحیح ہے۔ شاہد تمہارے باپ ہیں اور محسن تمہارا بھائی ۔۔"

"اور امی حضور!" زہرہ پاگلوں کے لہجے میں چلائی اور منصور نے ملامت سے ساتھ جواب دیدیا۔

"اُن کو تم اپنی دایہ سمجھ سکتی ہو ۔۔۔ تمہاری اصل ماں شاہد کی بیوی تھیں جو مرچکی ہیں۔"

اس انکشاف نے زہرہ کا دل و دماغ ٹھکانے نہ رکھا۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب طرح کی دہشت برسنے لگی اور اُس نے سر نیچا کیا تو پھر نہ اُٹھا سکی۔

منصور اُس کے تاثرات اور احساسِ خجالت کا اندازہ کر رہے تھے انہوں نے ایک باپ کے پیار سے اُس کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے۔

"ناداننستگی میں انسان سے بڑی بڑی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اور تم سے تو کوئی شرعی یا اخلاقی جرم سرزد نہیں ہوا ہے پھر سوچ کس کا ہے۔"

زہرہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکی اور منصور کے اشارے پر اُن کے ساتھ چلنے لگی۔

چلتے چلتے اس نے گھوم کر محسن کی طرف گھوم کر دیکھا لیکن اُس کی نگاہ اُس زہرہ کی نگاہ نہ تھی جو محسن کو چاہتی تھی۔ بلکہ اُس بہن کی نگاہ تھی جو اچانک مل جانے

والے بھائی پر زُہرہ کی سی کتنی ہی محبوباؤں کو قربان کر سکتی تھی۔

منصور تھوڑی ہی دُور گئے ہوں گے کہ کوٹھی سے آتے ہوئے ملازم اُن کو مل گئے۔ جنہوں نے اُن کی ہدایت پر محسن و شاہد کو کار تک پہنچایا اور صبح ہوتے ہوتے گومتی کے کنارے کے تمام افراد پھر اپنے مقامات پر پہنچ گئے۔

اس دن کا سورج زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب کا پیغام لے کر طلوع ہوا — بالخصوص بوڑھے منصور کے لئے تو دُنیا ہی بدل گئی تھی۔ مگر وہ ایک عالی خیال انسان تھے انہوں نے نہ صرف قدسیہ ہی کو معاف کر دیا بلکہ شاہد کی وفاداری اور ایثار کو بھی سراہا جنہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو مالکہ کی نذر کر دیا تھا۔

محسن چند ہی گھنٹوں کے بعد ہوش میں آ گیا تھا۔ اور سلمیٰ کو اپنے قریب پا کر کہے بغیر نہ رہا تھا۔

"تم نے آخر بچا ہی لیا مجھے۔ تا زندگی ایک آزمائش میں مبتلا رہنے کے لئے"

سلمیٰ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ ڈاکٹروں نے فوری طور پر اُس سے بولنے، بات کرنے کی ممانعت کر دی تھی — آخر محسن نے خود ہی اس کو خاموش پا کر کہا۔

"تم اپنے متعلق کوئی اندیشہ نہ کرو — زہرہ کا محسن مر چکا ہے۔ تم جس محسن کو گومتی سے نکال کر لائی ہو وہ تمہارا ہی ہے۔"

"مگر زُہرہ نے بھی تو ایک محسن کو پایا ہے جو اُس کا بھائی ہوتا ہے"، سلمیٰ نے آخر کہہ ہی دیا۔ اور محسن زیرِ لب کہنے لگا۔

"بحالتِ موجودہ اس رشتے کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔"

سلمیٰ نے پھر سکوت اختیار کر لیا۔ لیکن چند روز کے وقفہ سے خود منصور نے ہر بات کا انکشاف کر دیا اور محسن کا جی چاہنے لگا کہ ان آنکھوں کو پھوڑ ڈالے جن

سے اُس نے زہرہ کو دیکھا تھا اور ان ہاتھوں کو قطع کر دے جن سے اُس نے اُس کو چھوا تھا۔

منصور نے اس دن اُس کی بھی دل جمعی کی اور ویسے ہی الفاظ استعمال کئے جن سے انہوں نے زہرہ کو سمجھایا تھا۔

دوسرے دن بہن بھائی کی ملاقات بہت جذبات آفریں تھی۔ زُہرہ و محسن میں ایک دوسرے کے سمت نظریں اُٹھا کر دیکھنے کی ہمّت نہ تھی۔ خود منصور نے زُہرہ کو محسؔن کے قریب لیجا کر کھڑا کر دیا۔ زہرہ نے بھائی کے سینے پر سر ٹکا دیا اور محسن نے اخوت کے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

سلمیٰ و حمید ان تمام مواقع پر موجود رہے تھے اور اس رشتے کے انکشاف پر خوش ہوتے رہے تھے۔ حالانکہ اُن میں سے ایک کی خوشی حق بجانب، دوسرے کی بے محل تھی — سلمیٰ کا جہاں تک تعلق تھا وہ محسن کی موت پر فتح پا کر اس کو جیت ہی چکی تھی۔ رہ گیا حمید، تو زُہرہ کے لئے اس کا انتخاب جن حالات میں کیا گیا تھا وہ حالات ہی ختم ہو چکے تھے۔ اب قدسیہ یا شاہد کسی کو زُہرہ کی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ لہذا منصور نے انوار سے کہہ دیا کہ وہ زُہرہ کی نسبت اُس نوجوان سے کریں گے جس کو وہ خود پسند کر لے۔

حمید نے اس کہنے کے مطابق براہِ راست زہرہ سے تحریک کی تو اس نے نہایت بے رُخی سے جواب دیا۔

"شرم نہیں آتی تم کو منصور کے ایک کارندے کی بیٹی کی طرف نظر اُٹھاتے ہوئے۔"

بے حیا حمید نے اس جواب کے باوجود خوشامد درآمد کا سلسلہ باقی رکھا لیکن اس کو کوئی کامیابی نہ ہو سکی اور آخر اُسے سلمیٰ کو گنوا کر بے نیل و مرام کلکتہ واپس

ہونا پڑا۔
سلمیٰ ایک بار کلکتہ جا کر لکھنؤ آئی تو زہرہ و محسن ماضی کو بالکل بھول چکے تھے اور محبت کا درمیانی رشتہ اپنے اصلی مقام پر آ کر پختہ ہو گیا تھا۔
زہرہ کو تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا تو اس نے باہیں سلمیٰ کے گلے میں ڈال دیں۔
"یہ جوانی کی راتیں اور مرادوں کے دن کب تک اس طرح کٹتے رہیں گے"
"جب تک تمہاری نظر عنایت نہ ہو ——— !" شریر و بے باک سلمیٰ نے ایک حیلے کے ساتھ منھ دوسری طرف کر کے کہہ دیا اور زہرہ اس کو ایک دوہتڑ رسید کر کے رہ گئی۔
"بے حیا کہیں کی —— !"
سلمیٰ پر نسائیت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ کئی منٹ تک زہرہ سے نگاہیں چار کرنے کے قابل نہ ہو سکی۔ آخر زہرہ تھوڑی دیر بیٹھ کر منصور کے پاس آ گئی اور اسی دن اس نے تاریخ کا تعین کرا دیا۔
سلمیٰ کے والدین نے محسن کے کہنے کو رد نہ کیا اور ایک مبارک ساعت نے کلکتہ کی حور کو دلہن بنے دیکھ لیا
زہرہ کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ سلمیٰ کے کمرے میں دوڑی گئی اور اس کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھا کر کہنے لگی۔
"اب تو دل کی لگن پوری ہو گئی بھابی —"
"ہاں، پوری ہو گئی۔ تم کو بھی جلد ہی تمہاری محنت کا اجر مل جائے گا" سلمیٰ اس موقع پر بھی نہ چوکی اور ادھر ادھر دیکھ کر کہہ گذری۔
زہرہ کو اس کی بیباکی پر خود ہی شرمندہ ہونا پڑا — اور سلمیٰ نے جو کچھ کہا !

تھا۔ چند ہی ماہ کے اندر اس کو پورا کر دکھایا۔ کلکتہ کے ایک آئی۔سی۔ایس نوجوان سے ماہ پارہ زُہرہ کا رشتہ طے کرا دیا۔ جس کو منصور نے بھی منظور کرلیا اور اپنی زندگی کا آخری جشن منالیا۔

زُہرہ دنیا کی نگاہ میں منصور کی بیٹی تھی۔ جس کی حیثیت کو انہوں نے نہ بدلا۔ بلکہ بہن کے ساتھ بھائی کو بھی اپنا منھ بولا بیٹیا بنالیا اور منصور کے بعد یہی دونوں اُن کے وارث قرار پائے — اور اس طرح زندگیوں کے نئے موڑوں پر اُن کی محبتیں پروان چڑھتی رہیں۔

پنجابی پُستک بھنڈار کے مطبوعہ ناول

- اُس پار (مضطر ہاشمی) ۵/۲۵
- بے بس (جگدیش بھارتی) ۳/۷۵
- دولت کے کھیل (خان محبوب طرزی) ۲/۵۰
- اندھیرے چراغ (گلشن نندہ) ۴/۵۰
- کالی گھٹا " ۳/-
- سانجھ کی بیلا " ۳/۷۵
- تنہائی " ۵/-
- ساحل اور طوفان " ۶/-
- ڈوبتی نظریں (کرپا شنکر بھاردواج) ۵/-
- بلندیاں (عارف مارہروی) ۳/۵۰
- ٹارزن (انور کمال حسینی) ۲/۵۰
- ٹارزن کی شادی " ۲/۲۵
- " کا بیٹا " ۲/۵۰
- " کی گرفتاری " ۲/۵۰
- " کا انتقام " ۱/۷۵
- " کی فراری " ۲/۵۰
- جنگلی ٹارزن " ۳/-

- خوف کا سایہ (انور کمال حسینی) ۲/-
- شیشے کی آنکھ (اکرم الہ آبادی) ۲/۵۰
- اَدھ کھِلا پھول (سومناتھ اکیلا) ۲/-
- میں بُری نہیں ہوں (گوبند سنگھ) ۱/۷۵
- گھر آئے بدروا کالے " ۱/۷۵
- ایک سوال (امرتا پریتم) ۲/۵۰
- کشمیری شال (جی آر سیٹھی) ۱/۷۵
- قاتل کون (اے آر سعید) ۱/۷۵
- سر کٹے فوجی (عزیز بدایونی) ۳/-
- پُراسرار چور (اے ایم رشید) ۱/۷۵
- نقلی جاسوس " ۲۰/-
- سہانی ہوگی رات (ایم عالم) ۱/۵۰
- چار بدمعاش (جی آر سیٹھی) ۲/۵۰
- خون (شہزادہ تبسم) ۴/-
- جاسوس لڑکیاں (مغفور ہوشیارپوری) ۱/۷۵
- کانچ کے پتلے (کرپا شنکر بھاردواج) ۵/-

ملنے کا پتہ: پنجابی پُستک بھنڈار، دریبہ کلاں دہلی ۶

اگر آپ چاہتے ہیں
کہ اردو زبان میں شائع ہونے والے نئے ناولوں کی
اطلاع اور اردو ادب کی دیگر معلومات آپ کو ہر ماہ گھر بیٹھے
حاصل ہوتی رہیں تو ایک خط لکھ کر "آج کا ادب" کا تازہ شمارہ
بلا قیمت منگائیے۔ "آج کا ادب" آپ کو کئی دیگر دلچسپیوں
کے ساتھ ساتھ ادبی تفصیلات بھی مہیا کرے گا
ماہنامہ "آج کا ادب" دریبہ کلاں دہلی 6

سٹار پاکٹ بکس سیریز کی نئی دس کتابیں
۱۱- تھکن (ناول) دت بھارتی۔
۱۲- نغمۂ جاں (منتخب کلام) جاں نثار اختر
۱۳- اندھیرا اُجالا (ناول) خواجہ احمد عباس
۱۴- چودھویں کا چاند (ناول) عادل رشید
۱۵- برف کا درد (ناول) اوپیندر ناتھ اشک
۱۶- بدنصیب (ناول) دخشی محمود آبادی۔
۱۷- جوہی کی کلیاں (ناول) کرپا شنکر بھاردواج
۱۸- قہقہے (لطائف) انتخاب۔
۱۹- گلستاں (حکایات) شیخ سعدی
۲۰- دیوانِ غالب (منتخب کلام) مرزا غالب۔
۲۱- ظفر کی غزلیں (مجموعہ کلام) ظفر
قیمت فی کتاب ایک روپیہ